جگہ ٹھہرانا ضروری خیال نہ کیا تو میں اس بات کا خیال رکھوں گا کہ یہاں آپ کو کوئی تکلیف نہ ہو۔ لیکن اگر اس نوجوان کو اپنی جان عزیز ہے تو اسے مکان سے باہر نہیں نکلنا چاہیئے۔ میرا خیال تھا کہ یہ کسی لخمی یا تمیمی دستے کا آدمی ہوگا لیکن یہ تو کوئی اجنبی معلوم ہوتا ہے۔"

یوسیبیا نے جواب دیا "اگر یہ نوجوان یروشلم سے دمشق تک ہمارا ساتھ نہ دیتا تو ہم اس وقت رومیوں کی قید میں ہوتے۔ مجھے یقین ہے کہ اگر شہنشاہ ایران کی نظروں میں سین کی بیوی اور بیٹی کی کوئی قیمت ہے تو وہ اس نوجوان کو عزت کے قابل سمجھیں گے۔ تم اپنے سپہ سالار سے کہو کہ جب تک مجھے اپنے خاوند کا حال معلوم نہیں ہوتا میں یہیں رہنا پسند کروں گی۔"

"بہت اچھا! میں فی الحال چار آدمی یہاں چھوڑ کر جا رہا ہوں لیکن تھوڑی دیر میں چند اور آدمی یہاں پہنچ جائیں گے۔" افسر یہ کہہ کر باہر نکل گیا اور یوسیبیا اور فسطینہ دونوں بیلانہ کی طرف متوجہ ہوئیں۔

باقی سارا دن خیریت سے گزر گیا۔ سہ پہر کے قریب دمشق فتح کرنے والے لشکر کا سپہ سالار بذات خود اظہار ہمدردی کے لئے سین کی بیوی کے پاس آیا۔ اور پہریداروں کو، جو بیرونی دروازے کے قریب پائیں باغ میں ایک خیمہ نصب کر چکے تھے، ضروری ہدایات دینے کے بعد واپس چلا گیا۔

باب ۱۷

رات کے وقت عاصم سین کے مکان کے ایک سرے پر مہمان خانے کے ایک کمرے میں لیٹا ہوا تھا لیکن تھکاوٹ کے باوجود اس کی آنکھوں میں نیند نہ تھی۔ دن بھر اس نے بیلانہ کی زبان سے اہل دمشق پر ایرانی لشکر کے وحشیانہ مظالم کی داستانیں سنی تھیں۔ اور اسے یہ خوبصورت شہر اپنے وطن کے ریگزاروں سے زیادہ وحشت ناک محسوس ہوتا تھا۔ وہاں قبائل ایک دوسرے سے برسرپیکار تھے اور یہاں سلطنتوں کا تصادم تھا۔ دمشق کی گلیوں اور بازاروں میں فاتح لشکر کے نعرے اور قہقہے اور آس پاس کے مکانوں سے مفتوح قوم کی چیخیں سنائی دے رہی تھی۔ وہ اپنے دل میں کہہ رہا تھا۔ کاش! میں وحشت اور بربریت کے اس طوفان کو روک سکتا --- کاش! میں دمشق کے ہر گھر پہ پیغام دے سکتا میرا! تم نے کہا تھا کہ رات کے مسافر کو صبح کی روشنی کا انتظار کرنا چاہیئے۔ لیکن وہ صبح کب آئے گی؟۔ کیا ان تاریک بادلوں کے آغوش سے کوئی آفتاب نمودار ہو سکتا ہے؟" عاصم کے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہ تھا۔ اسے انسانیت کا مستقبل اس کے ماضی اور حال سے زیادہ بھیانک نظر آتا تھا اور وہ بار بار یہ کہہ رہا تھا کاش! فسطینہ کی دنیا سمیرا کی دنیا سے مختلف ہوتی۔ دیر تک بے چینی کی حالت میں کروٹیں بدلنے کے بعد اسے نیند آگئی۔ لیکن پچھلے پہر وہ ہڑبڑا کر اٹھا۔ بیرونی دروازے کی طرف پہریداروں کا شور سنائی دے رہا تھا۔ اس نے تلوار اٹھائی اور ننگے پاؤں باہر نکل آیا۔ پائیں باغ میں چند آدمی مشعلیں اٹھائے مکان کا رخ کر رہے تھے۔ عاصم درختوں کی آڑ لیتا ہوا چند قدم اس طرف بڑھا لیکن پھر اچانک کچھ سوچ کر بھاگتا ہوا اس کمرے کے دروازے کے سامنے کھڑا ہو گیا جہاں یوسیبیا اور اس کی بیٹی سو رہی تھیں۔ مشعلوں کی روشنی میں اسے آٹھ دس آدمی دکھائی دے رہے تھے۔ عاصم سوچ رہا تھا۔ "وہ آپ

ہیں۔ پہریداروں نے اُن کا راستہ روکنے کی کوشش نہیں کی — شاید اُن کا افسر بھی غداری کر رہا ہو۔ میں اتنے آدمیوں کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اگر میں ایک بار اُن کا مُنہ پھیر دوں تو بھی یہ معاملہ ختم نہ ہوگا۔ اگر یہ بھاگ گئے تو اور آ جائیں گے اور اُن کی تعداد زیادہ ہوگی — فسطینہ کہتی تھی کہ اگر ہمارے مقدر ہی میں ذلت اور رسوائی ہے تو تم ہماری مدد نہیں کر سکتے۔ لیکن میں اپنی زندگی میں اُس کی ذلت و رسوائی نہیں دیکھوں گا۔ اور اس کے بعد مجھے اِس بات سے کوئی سروکار نہ ہوگا کہ وہ کیا کرتے ہیں۔ میری آنکھیں اُسے بکری کی طرح مرتے ہوئے نہیں دیکھیں گی۔ وہ میری لاش روندے بغیر اُس کے کمرے میں داخل نہیں ہو سکیں گے۔ لیکن کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ اگر میں انہیں تھوڑی دیر کے لئے روک سکوں تو سین کا کوئی وفادار دوست یہاں پہنچ جائے۔ آج ایرانی سپہ سالار بذاتِ خود اُن کی مزاج پُرسی کے لئے آیا تھا — عاصم موت کے بھیانک چہرے پر اُمید کی روشنی تلاش کر رہا تھا۔ وہ مکان سے چند قدم دُور رُکے ایک دراز قامت آدمی نے دوسرے کے ہاتھ سے مشعل لینے کے بعد ان سے کچھ کہا اور وہ واپس چلے گئے۔ اجنبی تیزی سے آگے بڑھا اور عاصم دروازے کی محراب کے اندر سمٹنے لگا۔ پھر اچانک اُس نے اپنی تلوار کی نوک اُس کے سینے سے لگاتے ہوئے کہا۔ ”تم آگے نہیں جا سکتے۔“

اجنبی ٹھٹھک کر ایک قدم پیچھے ہٹ گیا اور ایک ثانیہ توقف کے بعد اُس نے کہا۔ ”تم جانتے ہو کہ میں اکیلا نہیں ہوں۔ اور میری آواز پر آن کی آن میں بیسیوں آدمی تم پر ٹوٹ پڑیں گے۔“

عاصم نے جواب دیا۔ ”مجھے معلوم ہے لیکن تمہاری آواز حلق سے باہر نہیں نکل سکے گی۔“

اجنبی نے اطمینان سے کہا۔ ”تم عرب معلوم ہوتے ہو اور میں حیران ہوں کہ تم اِس گھر کی حفاظت کے لئے اپنی جان کیوں خطرے میں ڈال رہے ہو؟“

”اگر تم ایرانی ہو تو تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ سین کی بیوی کا گھر ہے اور سین شہنشاہ کا دوست ہے۔“

”اور تم اُن کے محافظ ہو؟“

”تمہیں ابھی تک یقین نہیں آیا؟“

اجنبی نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ”تم بہت بہادر ہو اور بہت بیوقوف بھی۔ لیکن میں تمہارا شکر گزار ہوں ... بہت دُور سے آیا ہوں اور اب میرے لئے واپس قسطنطنیہ کا رُخ کرنا ممکن نہیں — میرا نام سین ہے۔“

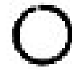
عاصم سکتے کے عالم میں کھڑا رہا۔ سین نے اپنے ہاتھ سے اُس کی تلوار ایک طرف ہٹا دی اور آگے بڑھ کر دروازہ کھٹکھٹانے لگا۔ تھوڑی دیر اندر سے کوئی جواب نہ آیا تو عاصم نے کہا۔ ”وہ اس وقت بہت خوفزدہ ہیں آپ انہیں آواز دیجئے۔“

سین چلایا۔ ”فسطینہ فسطینہ، بیٹی دروازہ کھولو میں آ گیا ہوں۔“

فسطینہ دروازہ کھول کر باہر نکلی اور ابا جان، ابا جان کہتی ہوئی اُس سے لپٹ گئی۔

سین نے مڑ کر عاصم کی طرف دیکھا اور کہا۔ ”اب تمہیں اطمینان ہو جانا چاہیئے۔ پہریداروں نے مجھے تمہارے متعلق بتا دیا تھا لیکن مجھے یہ توقع نہ تھی کہ تم اِس وقت دروازے پر کھڑے ہو گے۔ جاؤ اب آرام کرو۔“

عاصم مہمان خانے کی طرف چل دیا۔



اگلے دن دیر تک عاصم کو سین سے دوبارہ ملاقات کا موقع نہ ملا۔ وہ کبھی اصطبل میں جا کر اپنے گھوڑے کو دیکھتا اور کبھی پائیں باغ میں ٹہلنا شروع کر دیتا۔ مکان کے محافظ اُس کے ساتھ ادنیٰ خادموں کی طرح پیش آتے تھے۔ دوپہر کے وقت وہ اپنے کمرے میں لیٹا ہوا تھا۔ اچانک فسطینہ اندر داخل ہوئی اور وہ اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ فسطینہ نے کہا۔ ”آج میں بہت دیر سوئی ہوں — امی اور ابا جان ابھی بیدار ہوئے ہیں۔ وہ کھانے پر آپ کو بلانا چاہتے تھے لیکن ایلانہ نے کہا تھا کہ آپ کھانا کھا چکے ہیں۔ ہم صبح تک آپ کے متعلق باتیں کرتے رہے۔ ابا جان اب سپہ سالار سے ملنے جا رہے ہیں۔ واپس آ کر وہ آپ سے ملاقات کریں گے۔ امی جان کہتی ہیں کہ اگر آپ کو کسی چیز کی ضرورت ہو تو بتا دیجئے۔ ابھی انہوں نے ایک آدمی کو آپ کے لئے نیا لباس خریدنے بھیجا ہے۔“

عاصم نے کہا۔ ”مجھے نئے لباس کی ضرورت نہیں — میری سب سے بڑی خواہش یہ تھی کہ آپ کے ابا جان خیریت سے گھر پہنچ جائیں اور یہ خواہش پوری ہو چکی ہے۔ اب دمشق کو خدا حافظ کہتے ہوئے میرے دل پر کوئی بوجھ نہ ہوگا۔“

فسطینہ نے جواب دیا۔ ”اب آپ کے میزبان میرے ابا جان ہیں۔ اور یہ فیصلہ کرنا اُن کا کام ہے کہ آپ کب جا رہے ہیں؟ اور جب تک انہیں یہ اطمینان نہیں ہو جاتا کہ آپ جس جگہ جا رہے ہیں وہ دمشق سے بہتر ہے

وہ آپ کو کبھی اجازت نہیں دیں گے۔"

باہر سے کسی کے قدموں کی آہٹ سنائی دی اور فسطینہ نے مڑ کر دیکھتے ہوئے کہا۔"ابا جان آ رہے ہیں۔"

عاصم اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اور فسطینہ ایک طرف ہٹ گئی۔ سین کمرے میں داخل ہوا اور اُس نے ایک قدم کے فاصلے سے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔"میں ایک ضروری کام سے باہر جا رہا ہوں اور واپس آ کر اطمینان سے تمہارے ساتھ باتیں کروں گا۔ میری بیٹی کہتی ہے کہ تم بھاگ جاؤ گے اور میں اسے یہ اطمینان دلا چکا ہوں کہ تم اس گھر سے میری اجازت کے بغیر باہر نہیں نکلو گے۔"

"یہ آپ کا حکم ہے؟"

"نہیں! ہم اپنے محسنوں کو حکم نہیں دیا کرتے۔ فسطینہ! میری غیر حاضری میں تمہیں اپنے مہمان کا خیال رکھنا چاہیئے۔" سین نے عاصم کے کندھے پر تھپکی دی اور مسکراتا ہوا باہر نکل گیا۔

شام کے وقت عاصم اپنے کمرے کے باہر ٹہل رہا تھا۔ بیلانہ کپڑوں کی ایک گٹھڑی اٹھائے سکونتی مکان سے نمودار ہوئی اور اُس کے قریب آ کر بولی۔"لیجئے! یہ آپ کے کپڑے ہیں۔ آپ انہیں جلدی پہن لیجئے۔ فسطینہ کے ابا جان آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔"

عاصم نے پوچھا۔"کیا وہ نئے لباس کے بغیر کسی سے ملاقات نہیں کرتے۔"

بیلانہ نے پریشان ہو کر جواب دیا۔"نہیں! انہوں نے یہ نہیں کہا کہ آپ یہ کپڑے پہن کر ہی اُن کے پاس آئیں۔ لیکن فسطینہ کی یہ خواہش ہے کہ آپ لباس تبدیل کر لیں۔"

عاصم نے اُس سے گٹھڑی لے کر کمرے کے اندر پلنگ پر پھینک دی اور واپس آ کر بولا۔"لباس تبدیل کرنے میں دیر ہو جائے گی۔ میں پہلے اُن سے ملنا چاہتا ہوں۔"

بیلانہ کچھ کہے بغیر اُس کے آگے آگے چل پڑی اور تھوڑی دیر بعد اُس نے سکونتی مکان کے ایک نیم وا دروازے کے سامنے رُکتے ہوئے کہا۔"آپ اندر تشریف لے جائیے!"

عاصم جھجکتا ہوا اندر داخل ہوا۔ کمرے میں دو شمعیں جل رہی تھیں اور سین، یوسیبیا اور فسطینہ کرسیوں پر بیٹھے تھے۔ سین نے اُسے دیکھتے ہی اپنے سامنے ایک کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔"بیٹھ جاؤ! میری بیوی

بیٹی کی یہ خواہش تھی کہ میں اُن کی موجودگی میں تمہارا شکریہ ادا کروں۔ اور میں ان سے یہ کہہ رہا تھا کہ اگر میرے پاس وقت ہوتا تو میں ایران کے تمام امراء کو یہاں بلاتا اور اُن کے سامنے تمہارا ہاتھ پکڑ کر یہ اعلان کرتا کہ یہ نوجوان اِس دُنیا میں میرا سب سے بڑا محسن ہے۔ اور میں آج سے اسے اپنا بیٹا سمجھتا ہوں۔ میرے لئے سریانی زبان میں اپنے جذبات کا اظہار ممکن نہیں۔ لیکن مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم فارسی نہیں جانتے۔"

عاصم نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے جواب دیا۔"آپ کو میرا شکریہ ادا کرنے کی ضرورت نہیں۔ میں نے صرف اپنا فرض ادا کیا ہے۔"

سین نے کہا۔"میں علی الصباح ایک مہم پر جا رہا ہوں۔ لیکن دمشق چھوڑنے سے پہلے میرے لئے یہ جاننا ضروری ہے کہ میں تمہاری کیا خدمت کر سکتا ہوں۔ دولت کی میرے پاس کمی نہیں۔ فسطینہ اور اس کی والدہ تمہاری بدولت جو جواہرات بچا لائی ہیں اُن پر تم سے زیادہ کسی کا حق نہیں، وہ تمہیں قبول کرنے پڑیں گے۔"

عاصم نے جواب دیا۔"میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں۔"

سین نے کہا۔"تم غریب الوطن ہو اور میں تمہیں شام اور آرمینیا کے ہر شہر میں بہترین محل، زمین اور باغات دلوا سکتا ہوں۔ اگر تم کسی طاقتور دشمن کے ہاتھوں تنگ آ کر اپنے وطن سے نکلے ہو تو میں یہ وعدہ کرتا ہوں کہ اس جنگ سے فارغ ہونے کے بعد میں تمہیں ایک فاتح کی حیثیت سے وہاں بھیجوں گا اور تیمی اور لخمی قبائل کا ایک ایسا لشکر تمہارے ساتھ ہو گا جس کے سامنے کسی کو دم مارنے کی جرأت نہ ہو گی۔ میں یمن کے گورنر کو بھی شہنشاہ کی طرف سے تمہاری اعانت کا حکم بھجوا سکتا ہوں۔"

عاصم نے جواب دیا۔"معاف کیجئے! میں محلات، زمین اور باغات کی تلاش میں یہاں نہیں آیا۔ یہ درست ہے کہ میری زندگی کی تمام راحتیں میرے وطن کی خاک میں دفن ہو چکی ہیں لیکن میں وہاں اُس آگ کی چنگاریاں نہیں لے جاؤں گا جس کے شعلے میں نے دمشق میں دیکھے ہیں۔ میرے ہم وطنوں کے لئے قدرت کی یہی سزا کچھ کم نہیں کہ وہ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہیں۔"

سین نے کہا۔"نوجوان! میں صرف تمہاری مدد کرنا چاہتا ہوں ورنہ عرب پر ایرانیوں کے حملے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ عرب کا بہترین علاقہ یمن ہے اور وہ پہلے ہی ہمارے قبضے میں ہے۔ عراقِ عرب کے

قبائل ہمارے باجگذار ہیں اور باقی عرب ایک ایسا صحرا ہے جس سے ہمیں کوئی دلچسپی نہیں ہو سکتی۔ مجھے معلوم نہیں کہ تم کن حالات میں اپنے گھر سے نکلے ہو لیکن اگر تم ہمیشہ کے لئے اپنے وطن کو خیرباد کہہ چکے ہو تو مجھے اپنا دوست سمجھو۔ میں تمہیں یہ احساس نہیں ہونے دوں گا کہ تمہارا کوئی وطن یا گھر نہیں۔ تم دمشق کے حالات سے بہت پریشان معلوم ہوتے ہو اور میں خود بھی ایرانی لشکر کے طرزِ عمل سے خوش نہیں ہوں لیکن یہ جنگ کا زمانہ ہے اور ایرانی لشکر فاتح کی حیثیت سے ماضی کی انہی روایات پر عمل کر رہا ہے، جو رومیوں نے قائم کی ہیں۔"

عاصم نے پریشان ہو کر کہا۔ "لیکن آپ تو اس جنگ کے مخالف تھے۔"

"ہاں! اور میں اس مخالفت کی سزا بھگت چکا ہوں۔ میں قیصر کو یہ سمجھانے گیا تھا کہ تم شہنشاہ ایران کو ناراض کر کے ایک بہت بڑا خطرہ مول لے رہے ہو۔ ایران اور روم کی بھلائی اسی میں ہے کہ انہیں جنگ سے باز رکھا جائے۔ کسریٰ شہنشاہ موریس کے قاتلوں کو معاف نہیں کرے گا۔ اور اگر تم روم کو تباہی سے بچانا چاہتے ہو تو قسطنطنیہ کو کسی ایسے آدمی کے حوالے کر دو جو پرویز کی رنجش دور کر سکتا ہو۔ مجھے خدشہ تھا کہ فوکاس براہِ راست میری باتوں سے متاثر نہیں ہوگا۔ اس لئے میں نے اُس سے ملاقات کرنے سے پہلے بااثر امراء کو ہم خیال بنانا ضروری سمجھا لیکن کسی نے فوکاس کو بتا دیا کہ میں سینیٹ کے ارکان کو مرعوب کر رہا ہوں اور مجھے قید کر لیا گیا۔ پھر مجھے قبرص کے ایک قید خانے میں یہ اطلاع ملی کہ قسطنطنیہ میں انقلاب آچکا ہے۔ فوکاس قتل کر دیا گیا ہے اور نئے قیصر نے مجھ سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی ہے۔ میں قبرص سے قسطنطنیہ پہنچا اور مجھے ایک قیدی کی بجائے ایک معزز مہمان کی حیثیت سے نئے قیصر ہرقل کے دربار میں پیش کیا گیا۔ میں نے ہرقل کی طرف سے اپنے شہنشاہ کو دوستی کا پیغام پہنچانے کی ذمہ داری قبول کر لی اور میرا خیال تھا کہ خسرو پرویز ہرقل کی طرف سے دوستی کا پیغام سن کر خوش ہوگا اور یہ جنگ ختم ہو جائے گی لیکن یہ میری دوسری حماقت تھی۔ انطاکیہ پہنچ کر مجھے معلوم ہوا کہ پانی سر سے گزر چکا ہے اور اب اس طوفان کو روکنا میرے بس کی بات نہیں۔ فوکاس نے جو آگ جلائی تھی وہ اب خطرناک شعلوں کی صورت اختیار کر چکی ہے۔ اب میں اگر اسے بجھانے کی کوشش بھی کروں تو مجھے اپنے ہاتھ جلانے کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا۔ میں انطاکیہ سے یہاں پہنچا تو مجھے معلوم ہوا کہ اہلِ دمشق اُس شخص کو موت کے گھاٹ اتار چکے ہیں جسے میں دنیا کے تمام انسانوں سے زیادہ قابلِ عزت سمجھتا تھا۔ تھیوڈوسیس نے مجھے رومیوں اور شامیوں سے محبت کرنا سکھایا

تھا لیکن ان کے نزدیک اُسے آگ میں جلانے کے لئے یہ بات کافی تھی کہ وہ میرا خسر تھا۔"

عاصم نے پوچھا۔ "اب آپ کیا کرنا چاہتے ہیں؟"

سین نے جواب دیا۔ "میں پرویز کا ایک سپاہی ہوں۔ اور میری سب سے بڑی غلطی یہی تھی کہ میں نے ایک سپاہی کی حدود سے باہر پاؤں رکھنے کی کوشش کی تھی۔ میں اپنے شہنشاہ کا خادم ہوں اور میرے آقا کو صلح اور امن کا راستہ دکھانے والوں کی بجائے ایران کی فتوحات کے پرچم لہرانے والوں کی ضرورت ہے۔ میری وفاداریاں ایران کے لئے ہیں اور اگر حالات نے ایران کو بازنطینی سلطنت کا دشمن بنا دیا ہے تو میں اپنے حصے کی ذمہ داریوں سے بھاگنے کی کوشش نہیں کروں گا ـــــ اب ایران کا لشکر قسطنطنیہ فتح کئے بغیر نہیں رکے گا اور بازنطینی مقبوضات کے عوام کی بھلائی اسی میں ہے کہ قسطنطنیہ جلد فتح ہو جائے کیونکہ یہ جنگ جتنا طول کھینچے گی اُسی قدر ان کی مظلومیت میں اضافہ ہوتا جائے گا۔ تم اہلِ دمشق کے حالات سے بہت متاثر ہو لیکن جنگ کے آئین ہم نے نہیں بنائے۔ روم اور ایران صدیوں سے ایک دوسرے کے ساتھ اسی قسم کا برتاؤ کرتے چلے آرہے ہیں۔ اگر ہمارا کوئی شہر رومیوں کے قبضے میں آجائے تو وہاں کے عوام کے ساتھ اُن کا سلوک اس سے بہتر نہیں ہوگا۔"

عاصم نے کہا۔ "میں یہ ماننے کے لئے تیار ہوں کہ اگر فوکاس، شہنشاہ موریس کو قتل کر کے بازنطینی سلطنت پر قبضہ نہ کرتا تو ایران کو حملہ کرنے کی ضرورت پیش نہ آتی۔ لیکن اب جب کہ فوکاس قتل ہو چکا ہے اور نیا قیصر ایران کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھانے کا خواہش مند ہے تو پرویز کے لئے اس جنگ کو جاری رکھنے کا کیا جواز ہے؟"

سین نے جواب دیا۔ "ہمارے شہنشاہ کے لئے جنگ جاری رکھنے کی سب سے بڑی وجہ اُن کی فتوحات ہیں۔ ایک شکست خوردہ فوج ہمیشہ صلح اور امن کی طرف راغب ہوتی ہے لیکن ایک فاتح لشکر کو ایک کامیابی ہمیشہ دوسری کامیابی کا راستہ دکھاتی ہے۔ مجھے یہ کہنے میں تامل نہیں کہ روم اور ایران کبھی ایک دوسرے کے دوست نہ تھے۔ بعض حالات نے عارضی طور پر انہیں جنگ بند کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ خسرو پرویز کو بہرام سے نپٹنے کے لئے شہنشاہ موریس کی اعانت کی ضرورت تھی اور موریس یہ محسوس کرتا تھا کہ بہرام کے مقابلے میں پرویز کو مدد دینا رومیوں کے لئے زیادہ سودمند ہوگا۔ بہرام سے انہیں یہ اُمید نہیں ہو سکتی تھی کہ وہ لڑے بغیر اپنی سلطنت کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا بھی رومیوں کے حوالے کر دے گا لیکن پرویز کے متعلق شہنشاہ موریس کو اس بات کا یقین تھا کہ وہ ایک

کمزور ہمسایہ ثابت ہوگا۔ پرویز نے رومیوں کی اعانت کے صلے میں آرمینیا کے بیشتر علاقے اُن کے حوالے کر دیئے تھے لیکن اگر رومیوں نے یہ سمجھ لیا تھا کہ کسریٰ نے ہمیشہ کے لئے اُن کے سامنے گھٹنے ٹیک دیئے ہیں تو اُن کی غلطی تھی۔ پرویز کو اپنے کھوئے ہوئے علاقے واپس لینے کے لئے کسی بہانے کی ضرورت تھی اور فوکاس کے ہاتھوں موریس کے قتل سے اُسے یہ بہانہ مل گیا۔ اگر شہنشاہ موریس قتل نہ ہوتا تو ممکن ہے کہ دو چار سال اور خیریت سے گزر جاتے لیکن یہ کہنا غلط ہے کہ ایران اور روم کے جو تعلقات ہنگامی مصلحتوں کے تحت استوار ہوئے تھے وہ کسی دائمی امن کی ضمانت ہو سکتے ہیں۔ اگر آرمینیا میں ایرانی لشکر کو کسی ناکامی کا منہ دیکھنا پڑتا تو ممکن ہے کہ پرویز اپنی تلوار نیام میں کرنے پر مجبور ہو جاتا لیکن اب رومیوں کے مقابلے میں اُسے پہلی بار اپنی قوت کا احساس ہوا ہے اور یہ احساس اِس قدر شدید ہے کہ وہ صلح اور امن کے الفاظ بھی سننا گوارا نہیں کرتا۔"

عاصم نے کہا۔ "لیکن آپ ان سب باتوں کے باوجود اس جنگ کو پسند نہیں کرتے۔"

سین نے کچھ دیر سوچنے کے بعد جواب دیا۔ "میری پسند ناپسند کوئی معنی نہیں رکھتی —— انطاکیہ میں شہنشاہ سے ملاقات کے بعد میرے لئے صرف دو راستے تھے ایک یہ کہ میں پوری قوت کے ساتھ اس جنگ کے خلاف اپنی آواز بلند کروں اور وہ مجھے بزدل، یا رومیوں کا طرف دار سمجھ کر قتل ڈالیں اور دوسرا یہ کہ میں اِس حقیقت کا اعتراف کر لوں کہ اِس لڑائی کو روکنا اب میرے بس کی بات نہیں۔ صلح اور جنگ کے متعلق سوچنا ایک بادشاہ کا کام ہے۔ مجھے صرف اُن ذمہ داریوں کو پُورا کرنا چاہیئے جو ایران کے ایک سپاہی کی حیثیت سے مجھ پر عائد ہوتی ہیں —— میں نے دوسرا راستہ اختیار کیا ہے۔ اور یہ اس لئے نہیں کہ مجھے خون بہانے میں کوئی لذت محسوس ہوتی ہے بلکہ اس لئے کہ مجھے ہمیشہ کے لئے اُس آدمی کی نگاہوں سے گر جانا پسند نہیں جسے وقت آنے پر میں کوئی اچھا مشورہ دے سکتا ہوں۔ خسرو پرویز کبھی میرا دوست تھا اور میرے مشوروں پر عمل کیا کرتا تھا لیکن اِس وقت اُس کے صلاح کار ایسے لوگ ہیں جنہیں حرف سامنے دم مارنے کی جرأت نہ تھی۔ میری آخری اُمید یہی ہے کہ کسی دن میں اُس کا کھویا ہوا اعتماد حاصل کر سکوں گا۔ اور صلح و امن کے حق میں میری آواز شہنشاہ کے کانوں کو ناخوشگوار محسوس نہیں ہوگی۔ میری غیر حاضری میں بعض حاسدوں کو شہنشاہ کے کانوں میں زہر بھرنے کا موقع مل گیا تھا لیکن میں اُنہیں اپنے مقاصد میں کامیاب نہیں ہونے دوں گا۔ شہنشاہ عنقریب یہاں پہنچ رہا ہے اور اس کے بعد شاید مجھے کسی محاذ پر بھیج دیا جائے۔ لیکن جب تک میں یہاں ہوں تمہیں اپنے مستقبل کے متعلق سوچنے کی ضرورت نہیں۔"

"دمشق پہنچنے سے پہلے میری بیوی اور بیٹی تمہاری پناہ میں تھیں اور اب تم میری پناہ میں ہو۔ تم نے مجھ پر بہت بڑا احسان کیا ہے اور میں صرف اپنا فرض ادا کرنا چاہتا ہوں۔ آج سے ہم دنیا کی ہر خوشی اور غم میں ایک دوسرے کے ساتھی ہیں۔ اگر میں تمہارے لئے کچھ نہ کر سکا تو مجھے ساری عمر افسوس رہے گا۔"

عاصم کچھ دیر سر جھکائے سوچتا رہا بالآخر اُس نے مغموم لہجے میں کہا۔ "جب میں گھر سے نکلا تھا تو مجھے سر چھپانے کے لئے کسی جگہ کی ضرورت تھی۔ اب میں نہیں جانتا کہ میرا سفر کہاں ختم ہوگا؟ مجھے ایران اور روم کی جنگ سے کوئی دلچسپی نہیں، لیکن اگر آپ نے مجھ کو ایک غریب الدیار سمجھ کر میری طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا ہے تو آپ مجھے احسان ناشناس نہیں پائیں گے۔ میں آپ کے ہر حکم کی تعمیل کروں گا۔"

سین نے کہا۔ "میں تمہارا شکرگزار ہوں اور تمہیں کوئی ایسا حکم نہیں دوں گا جو ایک باپ اپنے بیٹے یا ایک دوست اپنے دوست کو نہ دے سکے۔ میرا پہلا حکم یہ ہے کہ تم اپنے کمرے میں جا کر لباس تبدیل کرو اور پھر واپس آ کر ہمارے ساتھ کھانا کھاؤ۔"

سین مسکرا رہا تھا اور عاصم یہ محسوس کر رہا تھا کہ اس خوش وضع انسان کی نگاہیں سنگلاخ چٹانوں کو بھی موم بنا سکتی ہیں وہ اپنے دل میں محبت اور اطاعت کی دھڑکنیں محسوس کرتا ہوا اٹھا اور کمرے سے باہر نکل گیا پھر جب وہ کھانا کھانے کے بعد اپنے کمرے میں لیٹا سین کی باتوں پر غور کر رہا تھا تو اُسے ایک الجھن سی محسوس ہوتی تھی۔ اُسے یہ توقع نہ تھی کہ ایران کا ایک جرنیل اُس سے اس درجہ بے تکلفی کے ساتھ پیش آئے گا۔ پھر اُسے سین کی گفتگو کے دوران فسطینا کے چہرے کا اتار چڑھاؤ دیکھ کر بار بار یہ محسوس ہوا تھا کہ وہ کسی ذہنی کرب میں مبتلا ہے اور سین کا مقصد اُس کی دلجوئی سے کہیں زیادہ اپنی بیوی کو مطمئن کرنا ہے۔

عاصم کے لئے یہ سمجھنا مشکل نہ تھا کہ زمانے کی گردش نے ایک جری انسان کو امن اور جنگ کے متعلق اپنا موقف تبدیل کرنے پر مجبور کر دیا ہے۔

چند دن بعد کسریٰ پرویز انطاکیہ سے دمشق پہنچ گیا اور ایران کے لشکر نے شام کے کئی اور شہروں کو تاخت و تاراج کرنے کے بعد لبنان پر یلغار کر دی۔ لبنان کے ساحلی شہر دفاعی لحاظ سے خاصے مضبوط تھے اور سمندر کی طرف

سے اُن کے رسد و کمک کے راستے کھلے تھے لیکن رومیوں کی سراسیمگی کا یہ عالم تھا کہ وہ کسی جگہ بھی جم کر مقابلہ نہیں کرتے
دمشق میں پرویز کی آمد کے بعد سین کی یہ پریشانی دور ہو چکی تھی کہ وہ شہنشاہ کی نگاہوں سے گر چکا ہے۔ اب وہ دربار میں اُن چند سرکردہ جرنیلوں کے دوش بدوش کھڑا ہوتا تھا جو جنگی امور کے ماہر سمجھے جاتے تھے۔ پرویز شہر کے اُس عالیشان محل میں مقیم تھا جہاں فتح سے قبل رومی حاکم رہا کرتے تھے۔ سین صبح ہوتے ہی محل میں چلا جاتا اور غروب آفتاب تک وہاں مصروف رہتا۔ بعض اوقات وہ گھر آکر بھی کئی کئی گھنٹے مختلف محاذوں کے جنگی نقشے تیار کرنے میں منہمک رہتا تھا۔

ان ایام میں عاصم کی حالت ایک ایسے انسان کی سی تھی جو کسی تیز رفتار ندی کے بھیانک گرداب سے نکلنے کے بعد کنارے کی چٹان کے دوسری طرف ایک بڑے دریا کی طغیانیوں کا مشاہدہ کر رہا ہو اور جسے آگے بڑھنا یا پیچھے ہٹنا یکساں دشوار اور ہمت شکن محسوس ہوتا ہو۔ یہ چٹان سین کا گھر تھا جہاں پاؤں جمانے کے بعد وہ ماضی کے گرداب کو بھول جانا چاہتا تھا لیکن اس سے آگے اُس کے مستقبل کی تمام منزلیں زیادہ بھیانک اور زیادہ حوصلہ شکن طوفان کے آغوش میں چھپی ہوئی تھیں۔

یہ گھر حال اور مستقبل کے درمیان ایک جزیرہ تھا جہاں اُس کی خواہش صرف زندہ رہنے تک محدود تھی۔ وہ علی الصباح اٹھتا۔ اپنے گھوڑے کی دیکھ بھال کرتا، پائیں باغ میں ٹہلتا اور پھر جب اسے اپنے گرد و پیش سے اکتاہٹ محسوس ہونے لگتی تو مہمان خانے کے ایک کمرے میں جا بیٹھتا۔ یوسیبیا اُس کے ساتھ حسب معمول انتہائی شفقت سے پیش آتی لیکن کبھی کبھی اُسے ایسا محسوس ہوتا کہ وہ اپنے دل پر جبر کر کے مسکرانے کی کوشش کر رہی ہے۔ جنگ کے باعث جو اداسی دمشق کے در و دیوار پر چھائی ہوئی تھی وہ کبھی کبھی اُس کے پُر وقار چہرے کو بھی مغموم بنا دیتی تھی ـــــ ذکر جن کی تعداد اب سات تک پہنچ چکی تھی مختلف محاذوں پر ایرانیوں کی فتوحات کی خبریں لاتے تھے۔ یوسیبیا بظاہر ان خبروں پر مسرت کا اظہار کرتی لیکن عاصم کو بارہا ایسا محسوس ہوتا کہ سین کی بیوی اپنے صحیح احساسات پر پردہ ڈالنے کی ناکام کوشش کر رہی ہے۔ فسطینہ اُس سے مختلف تھی۔ اُسے اس بات پر فخر تھا کہ وہ سین کی بیٹی ہے اور اُس کا باپ شہنشاہ سے ہم کلام ہوتا ہے۔ وہ اُسے ایران کا سب سے بڑا جرنیل اور پرویز کو ساری دنیا کا فاتح دیکھنا چاہتی تھی۔ رومی اور یونانی سپاہیوں کی تباہی اور اہل شام کی مظلومیت کے متعلق اُس کے تاثرات

بھی ماں سے قطعاً مختلف تھے۔ وہ بے حس یا سنگدل نہ تھی اور کبھی کبھی شامیوں کی مظلومیت کی داستانیں سُن کر اس کے شگفتہ چہرے پر غم کے بادل چھا جاتے تھے لیکن ایرانیوں کے مظالم سے شاکی ہونے کے باوجود اُسے یہ یقین تھا کہ رومی بلاوجہ اس جنگ کو طول دے کر اہل شام کے مصائب میں اضافہ کر رہے ہیں، وہ اکثر کہتی "قیصر یہ جانتا ہے کہ وہ ایران کا مقابلہ نہیں کر سکتا، اُس کی افواج ہر محاذ سے بھاگ رہی ہیں پھر کیا وجہ ہے کہ وہ ہار نہیں مانتا۔ اگر وہ ہمارے شہنشاہ کی اطاعت قبول کر لے تو یہ جنگ ختم ہو سکتی ہے۔ کاش! رومیوں کو کوئی یہ بات سمجھا سکتا کہ ایرانی قسطنطنیہ فتح کئے بغیر واپس نہیں جائیں گے۔ فسطینہ مختلف طریقوں سے عاصم کو بھی یہ سمجھانے کی کوشش کیا کرتی تھی کہ ایران کے لشکر میں ایک بہادر سپاہی کے لئے شہرت اور ناموری کے دروازے کھلے ہیں۔ اگر تم چاہو تو ابا جان تمہارے لئے بہترین عہدہ حاصل کر سکتے ہیں اور تم کسی دن ایران کے شہنشاہ کو بھی اپنا گرویدہ بنا سکو گے لیکن عاصم اُس کی باتوں کو ایک بچے کی دل لگی سمجھ کر گفتگو کا موضوع بدل دیتا۔

کچھ دنوں سے عاصم نے سین کے گھر میں بیکاری کے لمحات گزارنے کے لئے فارسی زبان سیکھنی شروع کر دی تھی اور اُس کی درخواست پر سین فوج کے ایک عمر رسیدہ سپاہی کو اپنے گھر لے آیا تھا جس نے نوشیرواں کے زمانے میں گرفتار ہونے کے بعد ایک رومی افسر کے غلام کی حیثیت سے اپنی جوانی کے ابتدائی سال قسطنطنیہ اور شام کے مختلف شہروں میں گزارے تھے۔

اس بوڑھے سپاہی کا نام فیروز تھا اور وہ اپنی مادری زبان کے علاوہ سریانی، رومی اور یونانی زبانوں میں بے تکلفی سے گفتگو کر سکتا تھا۔ عاصم کو سین کے گھر میں بیکاری کے لمحات گزارنے کے لئے کسی ساتھی اور فیروز کو بڑھاپے میں کسی قدر دان کی ضرورت تھی چنانچہ وہ چند دن میں ایک دوسرے کے ساتھ خاصے بے تکلف ہو گئے۔ فیروز میانے قد اور دوہرے جسم کا ایک تندرست اور توانا آدمی تھا۔ اُس کے بال سفید ہو چکے تھے لیکن چہرے پر ابھی تک جوانوں کی سی تازگی نظر آتی تھی۔ سین نے اُسے عاصم کو فارسی سکھانے کے علاوہ اُس کی حفاظت کی ذمہ داری بھی سونپ دی تھی اور وہ سائے کی طرح اُس کے ساتھ رہتا تھا۔ کبھی کبھی عاصم اور فیروز سیر و شکار کے بہانے گھوڑوں پر سوار ہو کر شہر سے باہر نکل جاتے اور جب وہ تھک کر کسی درخت کی چھاؤں میں بیٹھ جاتے تو فیروز اپنے بچپن یا جوانی کی کوئی دلچسپ داستان شروع کر دیتا۔

ایک رات عاصم فیروز سے باتیں کر رہا تھا۔ سین کا ایک نوکر کمرے میں داخل ہوا اور اُس نے کہا "جناب آقا آپ کو یاد فرماتے ہیں"۔

عاصم کسی توقف کے بغیر اٹھا اور نوکر کے پیچھے چل دیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ سین کے کمرے میں داخل ہوا۔ وہ ایک خوبصورت قالین پر بیٹھا ایک نقشہ دیکھنے میں منہمک تھا۔ عاصم کچھ دیر تذبذب کی حالت میں کھڑا رہا اور پھر ادب سے اُس کے سامنے بیٹھ گیا۔ سین نے نقشہ لپیٹ کر ایک طرف رکھ دیا اور اُس کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ "عاصم! تمہیں یہ سن کر خوشی ہوگی کہ شہنشاہ نے میرا مشورہ مان لیا ہے"۔

"تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اب جنگ ختم ہو جائے گی"۔

"نہیں"۔ اُس نے مسکرا کر جواب دیا۔

"اس مرتبہ میں نے انہیں صلح کا مشورہ دینے کی حماقت نہیں کی۔ بلکہ اس بات پر زور دیا کہ ہمیں یروشلم پر چڑھائی کرنے سے پہلے لبنان کی چند اور بندرگاہوں پر قبضہ کر لینا چاہئیے تاکہ رومیوں کا بحری بیڑہ ہمارے لئے کسی پریشانی کا باعث نہ ہو ـــــ ہمارے جرنیلوں کی اکثریت اس بات کی حامی تھی کہ ہمیں کسی تاخیر کے بغیر یروشلم پر چڑھائی کر دینی چاہیئے۔ وہاں سے کل یہودیوں کا ایک وفد آیا تھا اور انہوں نے بھی شہنشاہ پر زور دیا تھا کہ رومی افواج فیصلہ کن جنگ لڑنے کی نیت سے یروشلم میں جمع ہو رہی ہیں اس لئے ہمیں حملے میں تاخیر کر کے انہیں مزید تیاری کا موقع نہیں دینا چاہیئے لیکن میں نے یہ خدشہ ظاہر کیا کہ اگر یروشلم کے محاصرے نے طول کھینچا تو اہل روم کو اپنی بحری قوت سے فائدہ اٹھانے کا موقع مل جائے گا اس لئے ہمیں یروشلم کا محاصرہ کرنے سے پہلے اُن کی کمک کے راستے بند کر دینے چاہئیں۔ آج ایک طویل بحث کے بعد شہنشاہ نے میری تجویز مان لی ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی مجھے قیساریہ کا محاصرہ کرنے والے لشکر کو کمک پہنچانے کا حکم دیا ہے۔ میں کل صبح یہاں سے تین ہزار سواروں کے ساتھ روانہ ہو جاؤں گا۔ چند دن تک شہنشاہ خود بھی لبنان کے محاذ پر پہنچ جائیں گے۔ اس جنگ کو ختم کرنے کی اب ایک ہی صورت باقی رہ گئی ہے اور وہ یہ کہ ہم رومیوں کو اس حقیقت کا اعتراف کرنے پر مجبور کر دیں کہ وہ ہمارا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اور اُن کی بہتری اسی میں ہے کہ وہ بلا تاخیر ہتھیار ڈال دیں ـــــ میں علی الصبح فوج کے مستقر میں چلا جاؤں گا۔ اور وہاں سے محاذ پر روانہ ہو جاؤں گا اس لئے شاید تم سے دوبارہ ملاقات کا موقع نہ ملے ـــــ میں تم سے یہ وعدہ لینا چاہتا ہوں کہ تم یہیں رہو گے اور میری غیر حاضری میں دمشق چھوڑ کر جانے کی کوشش نہیں کرو گے ـــــ یہ حکم نہیں بلکہ ایک درخواست ہے، ایک ایسے شخص کی درخواست جو تمہیں اپنا بیٹا سمجھنے میں ایک راحت محسوس کرتا ہے۔ میری عمر کا انسان نئے ساتھی اور دوست تلاش نہیں کرتا لیکن تمہیں دیکھ کر مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ تم جیسے ہمیشہ سے میرے ساتھ ہو"۔

عاصم نے متاثر ہو کر کہا۔ "اس گھر سے باہر میرے لئے کوئی جگہ نہیں اور اگر ہو بھی تو میں آپ کی اجازت کے بغیر نہیں جاؤں گا"۔

سین مسکرایا۔ "میں تمہارا شکریہ ادا کرتا ہوں"۔

تھوڑی دیر بعد عاصم اپنے بستر پر لیٹا اپنے دل میں سین کی گفتگو دہرا رہا تھا۔ اُسے اس بات کی کوئی خوشی نہ تھی کہ پرویز نے لبنان کی بندرگاہیں فتح کرنے کے متعلق سین کا مشورہ مان لیا ہے۔ تاہم یہ پہلا موقع تھا کہ اُس کے خیالات ایرانیوں کی فتح کے حق میں تھے اور اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ سین محاذِ جنگ پر جا رہا تھا۔

باب ۱۸

عاصم کو سین کے گھر میں زندگی کی تمام آسائشیں میسر تھیں۔ ماضی کے زخم آہستہ آہستہ مندمل ہو رہے تھے۔ وہ دنیا جسے عاصم اپنے پیچھے چھوڑ آیا تھا دنوں، ہفتوں اور مہینوں کے پردوں میں چھپتی جا رہی تھی۔

ابتدا میں جنگ کے متعلق وحشت ناک خبریں اُسے پریشان کیا کرتی تھیں اور وہ ہر نئے شہر یا قلعے پر ایرانیوں کی فتح یابی کی خبر سننے کے بعد اپنے دل میں ناخوشگوار دھڑکنیں محسوس کیا کرتا تھا ــــــ لیکن اب وہ ان خبروں کا عادی ہو چکا تھا۔ ایرانیوں کی بربریت کے خلاف اگر اُس کے دل میں کوئی نفرت تھی تو وہ سین سے عقیدت کے جذبات میں دب چکی تھی۔ تاہم جب وہ تنہائی کے لمحات میں اپنے حال اور مستقبل کے متعلق سوچتا تو اُسے اس قسم کے خیالات پریشان کرنے لگتے، میں یہاں کیا کر رہا ہوں؟۔ اس گھر میں میری کیا حیثیت ہے؟ میں کب تک روم اور ایران کی جنگ سے بے تعلق رہ سکتا ہوں؟ یہ گھر اس دنیا میں میری آخری جائے پناہ ہے۔ سین نے اُس وقت میری طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا ہے جب میرا کوئی سہارا نہ تھا۔ کیا وفاداری کا یہ تقاضا نہیں کہ میں اس کے دوستوں کو اپنا دوست اور اُس کے دشمنوں کو اپنا دشمن سمجھوں۔ وہ میدان جنگ میں میرے متعلق کیا سوچتا ہوگا جس کی بیوی جو عیسائی ہونے کے باوجود صبح و شام اپنے شوہر کی سلامتی کی دعائیں مانگتی ہے اور اُس کی بیٹی جس کا چہرہ ایرانیوں کی فتوحات کی خبریں سُنکر دمک اُٹھتا ہے، میرے متعلق کیا سوچتی ہوں گی۔ اور یہ نوکر جنھیں فسطینہ میری بہادری کے قصے سنا کر مرعوب کرنے کی کوشش کیا کرتی ہے میرے متعلق کیا خیال کرتے ہوں گے؟“

کبھی کبھی اُسے اِس گھر کی چار دیواری کے اندر ایک گھٹن سی محسوس ہونے لگتی اور اُس کا جی چاہتا کہ وہ

بے بسی اور مجبوری کی زنجیریں توڑ کر کسی ایسے ویرانے کی طرف نکل جائے جہاں اُسے جاننے والا کوئی نہ ہو۔ لیکن پھر مکان کے کسی گوشے سے فسطینہ کے معصوم قہقہے سنائی دیتے اور زندگی کے تلخ حقائق اُس کی نگاہوں سے اوجھل ہو جاتے۔

ایک دن فسطینہ بھاگتی ہوئی اُس کے پاس آئی اور عاصم کو ایسا محسوس ہوا کہ کائنات کی ساری خوشیاں اور تمام قہقہے اُس کی آنکھوں میں سما گئے ہیں۔ وہ بولی ”اباجان کا خط آیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ ہم نے تین شہر اور فتح کر لئے ہیں۔ دیکھئے یہ اُن کا خط ہے۔ انہوں نے امی جان کو آپ کے متعلق بھی چند باتیں لکھی ہیں۔ میں آپ کو پڑھ کر سناتی ہوں ــــــ وہ لکھتے ہیں مجھے ہمیشہ اس بات کا خیال رہتا ہے کہ میں ساری عمر اس کی نیکی کا بدلہ نہیں دے سکوں گا۔ میں واپس آ کر اُسے کسی ایسے کام پر لگا دوں گا جو اُس کی خواہش کے مطابق ہو۔ میں نے شہنشاہ سے اُس کا ذکر کیا تھا اور انہوں نے فرمایا تھا کہ ایسا نوجوان ہماری طرف سے انعام کا مستحق ہے۔ میں کسی دن موقع ملتے ہی اُسے شہنشاہ کی خدمت میں پیش کروں گا۔“

عاصم کوئی جواب دینے کی بجائے اس انجان لڑکی کی طرف دیکھتا رہا۔ اور وہ قدرے توقف کے بعد بولی مجھے یقین تھا کہ اباجان آپ کے لئے کوئی بڑا عہدہ حاصل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ جب آپ شہنشاہ کے سامنے پیش ہوں گے تو آپ کے لئے عزت اور شہرت کے تمام دروازے کھل جائیں گے۔ ممکن ہے آپ کسی لشکر کے سالار بن جائیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ آپ کو کسی علاقے کا حاکم بنا دیا جائے۔“

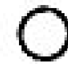
عاصم مسکرایا۔ ”اگر میں سالار یا حاکم بن جاؤں تو تم خوش ہو جاؤ گی؟“

”ہاں“ اُس نے سنجیدہ ہو کر جواب دیا۔ ”پھر کسی کو یہ کہنے کی جرأت نہ ہوگی کہ آپ جنگ میں حصہ لینے سے خوف کھاتے ہیں۔ اور آپ کو کسی کی بھیڑیں چرانے کا خیال بھی نہ آئے گا۔“

فسطینہ ہنستی ہوئی واپس جا رہی تھی اور عاصم پہلی بار چند برس آگے ان دنوں کا تصور کر رہا تھا جب وہ کسریٰ کی فوج کے ایک سالار کی حیثیت سے کسی بڑی مہم سے واپس آ رہا ہوگا اور کسی خوبصورت محل کے دروازے پر اس کمسن لڑکی کی بجائے ایک عورت اُس کے استقبال کے لئے کھڑی ہوگی ــــــ لیکن تھوڑی دیر بعد اُسے یہ حسین تصورات مضحکہ خیز محسوس ہونے لگے ــــــ وہ اپنے دل میں کہہ رہا تھا۔ یہ ہو سکتا ہے کہ میں پرویز کی فوج میں بڑے سے بڑا عہدہ حاصل کر لوں۔ لیکن یہ ممکن نہیں کہ کسی خوبصورت محل پر میرا انتظار کرنے والی عورت فسطینہ ہو۔ میں ایک عرب ہوں اور سین کی بیٹی کسی ایرانی شہزادے کی راہ دیکھنے کے لئے پیدا ہوئی ہے۔ میں اُسے

اپنے دل میں جگہ دے سکتا ہوں لیکن میری دنیا اُس کے لئے بہت تنگ ہے۔ وہ اُس کی دنیا میں کسی دن میری حیثیت اُن ستاروں سے مختلف نہیں ہوگی جن کی ٹمٹماہٹ طلوعِ آفتاب کے ساتھ ختم ہو جاتی ہے۔"

پھر جب اپنی غریب الوطنی، کم مائگی اور بے بسی کے احساس سے اُس کا دم گھٹنے لگا تو اُس کے دل کی گہرائیوں میں وہ جذبۂ خود پسندی کروٹیں لینے لگا جو زندگی کے ہر امتحان میں ایک بدوی کا آخری سہارا تھا ـــ اب وہ اپنے دل کو تسلی دے رہا تھا۔ میں اپنے ماضی کو واپس نہیں لا سکتا لیکن مجھے اپنے حال اور مستقبل سے مایوس نہیں ہونا چاہیئے۔ اس دنیا کی راحتیں اُن لوگوں کا خراج ہیں جو تلوار کی نوک سے اپنا راستہ صاف کرتے ہیں اور میں اپنی تلوار پر بھروسا کر سکتا ہوں۔ زندگی میں یہی میرا ایک ایسا دوست اور ساتھی ہے جس نے مجھے کبھی دھوکا نہیں دیا ـــ اسی نے میرے لئے سین کے گھر کا دروازہ کھولا ہے اور یہی مجھے آئندہ کے لئے اُس کی دوستی کا مستحق ثابت کر سکتی ہے۔ اپنی قوتِ بازو پر اعتماد کر کے میں ایران کے عالی نسب شہزادوں کے دوش بدوش کھڑا ہو سکتا ہوں۔ اگر یہ لوگ مجھے ایک بہادر آدمی سمجھتے ہیں تو میں انہیں مایوس نہیں کروں گا۔"



ایک دن عاصم فیروز کے ساتھ سیر کو نکلا اور دیر تک جبل الشیخ کی دلفریب وادیوں میں گھومتا رہا۔ شام کے قریب گھر پہنچتے ہی اُسے سین کی آمد کی اطلاع ملی اور اُس نے اپنے دل میں خوشگوار دھڑکنیں محسوس کرتے ہوئے ایک نوکر سے پوچھا۔ "وہ ٹھیک ہیں نا؟"

"ہاں! بالکل ٹھیک!" اُس نے جواب دیا۔ عاصم کوئی اور سوال کئے بغیر آگے بڑھا اور اصطبل کے سامنے گھوڑے سے کود پڑا۔ ایک نوکر نے بھاگ کر گھوڑے کی باگ پکڑلی اور عاصم چند ثانیے اُس کی گردن پر ہاتھ پھیرنے اور تھپکیاں دینے کے بعد زین اُتارنے لگا۔ اچانک اُسے ایک بلند قہقہہ سنائی دیا اور وہ مڑ کر بائیں باغ کی طرف دیکھنے لگا۔ فسطینہ چند قدم دور ایک خوش پوش اور وجیہہ نوجوان کے ساتھ انتہائی بے تکلفی سے باتیں کر رہی تھی اور وہ اُس کی مسکراہٹوں کے جواب میں پوری قوت کے ساتھ ہنسنے کی کوشش کر رہا تھا۔ عاصم کو اپنی طرف متوجہ دیکھ کر فسطینہ آگے بڑھی اور اس اجنبی نوجوان کے کھوکھلے قہقہے حلق میں اٹک کر رہ گئے۔

فسطینہ نے قریب آکر کہا۔ "اباجان آگئے ہیں اور انہوں نے آتے ہی آپ کے متعلق پوچھا تھا، آپ نے بہت دیر لگائی ـــ" عاصم نے کہا۔ "میں ذرا دور نکل گیا تھا۔ وہ کہاں ہیں؟"

"اندر سو رہے ہیں۔"

"اور وہ کون ہے؟"

فسطینہ نے جواب دیا۔ "یہ ایرج ہے اور ایران کے ایک بہت بڑے خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔ مدائن میں اس کا گھر ہمارے گھر کے سامنے تھا۔ اس کا باپ اباجان کا دوست تھا۔ یہ آرمینیا کی جنگوں میں دو بار زخمی ہو چکا ہے اور اب لبنان کے محاذ سے اباجان کے ساتھ آیا ہے۔"

ایرج جو تذبذب اور پریشانی کی حالت میں کھڑا تھا، آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا آگے بڑھا۔

فسطینہ نے اُس سے مخاطب ہو کر کہا۔ "یہ عاصم ہیں اگر یہ ہماری مدد نہ کرتے تو آج شاید ہم یہاں نہ ہوتے۔"

عاصم نے ایرج کی طرف ہاتھ بڑھایا لیکن اُس نے مصافحہ کرنے کی بجائے عاصم کے گھوڑے کی گردن پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "یہ گھوڑا بہت خوبصورت ہے۔"

ایک ثانیہ کے لئے عاصم کی رگوں کا سارا خون سمٹ کر اس کے چہرے میں آگیا۔ تاہم اُس نے ضبط سے کام لیتے ہوئے کہا۔ "یہ گھوڑا خوبصورت بھی ہے اور شریف بھی اور عرب، گھوڑوں کے ظاہری حُسن کی بجائے اُن کی شرافت کی زیادہ قدر کرتے ہیں۔"

ایرج نے گھور کر عاصم کی طرف دیکھا اور کہا۔ "ہم گھوڑے کی شرافت کا اندازہ کرنے کے لئے اُس کے سوار کو دیکھتے ہیں۔ اگر ہماری ملاقات اس گھر کی بجائے کسی اور جگہ ہوتی تو میں اپنے نوکروں سے کہتا کہ اس گھوڑے کو ایک اچھے سوار کی ضرورت ہے۔ اب میں تم سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ اس کی قیمت کیا ہے؟"

عاصم نے زین اُتار کر نوکر کے حوالے کرتے ہوئے کہا۔ "اس کی قیمت ایک بہادر اور شریف دوست کی مسکراہٹ ہے۔"

فسطینہ جواب تک پریشانی کی حالت میں اُن کی گفتگو سن رہی تھی۔ ایرج سے مخاطب ہو کر بولی۔ "آپ کو یہ خیال کیسے آیا کہ ہمارے گھر میں مہمان اپنے گھوڑے فروخت کرنے آتے ہیں؟"

ایرج کا غرور پریشانی میں تبدیل ہو رہا تھا اور اُس نے اپنی خفت مٹانے کی کوشش کرتے ہوئے [illegible] مذاق کر رہا تھا فسطینہ! مجھے معلوم تھا کہ یہ عرب اپنے گھوڑے پر جان دینے کو تیار ہو جاتے ہیں۔"

نوکر گھوڑے کو اصطبل کے اندر لے گیا اور فسطینہ نے عاصم کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ "ابا جان! بہت تھکے ہوئے تھے جب وہ بیدار ہوں گے تو میں انہیں آپ کے متعلق بتا دوں گی۔"

فسطینہ وہاں سے چل پڑی اور ایرج اُس کے ساتھ ہو لیا۔ فیروز نے آگے بڑھ کر عاصم کو اپنی طرف متوجہ کرتے ہوئے کہا۔ "آپ کو پریشان نہیں ہونا چاہیئے۔ ایرج ایک انتہائی مغرور اور بد مزاج نوجوان ہے۔ اور اُس کا غرور بلاوجہ نہیں۔ یہ ایران کے ایک انتہائی بااثر خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ لوگ اپنے ساتھ برابری کا دعویٰ کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے۔ اگر اُس کے دل میں سین کا احترام نہ ہوتا تو یہ تلخ کلامی آپ کے لئے انتہائی خطرناک نتائج پیدا کر سکتی تھی۔"

عاصم نے کہا۔ "فیروز کیا تم بھی یہ کہنا چاہتے ہو کہ مجھے منہ پر طمانچہ کھا کر مسکرانے کی کوشش کرنی چاہیئے تھی؟"

فیروز نے جواب دیا۔ "نہیں! میں یہ مشورہ دے رہا ہوں کہ آپ کو ایک اژدہے کے منہ میں ہاتھ دینے کی کوشش نہیں کرنی چاہیئے۔ کم از کم اُس وقت تک جب تک آپ کے بازوؤں میں اُس کے جبڑے چیرنے کی قوت نہ ہو۔ میں جانتا ہوں کہ سین کی پناہ میں تمہیں کوئی خطرہ نہیں۔ ایران میں بہت کم لوگ اُس سے زیادہ بااثر ہیں۔ وہ شہنشاہ کا دوست ہے اور اُس کے اثر و رسوخ کا یہ عالم ہے کہ آج جب سینکڑوں ایرانی عیسائی ہونے کے شبہ میں موت کے گھاٹ اتارے جا رہے ہیں۔ بڑے سے بڑا مجوسی پیشوا بھی یہ اعتراض کرنے کی جرأت نہیں کرتا کہ سین کی بیوی عیسائی ہے۔ لیکن یہی اُس کی ایک ایسی کمزوری ہے جس سے کسی وقت بھی اُس کے دشمن فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ تم اس بات پر حیران ہو کہ سین روم اور ایران کی لڑائی کا مخالف ہونے کے باوجود خوشی سے محاذ پر چلا گیا تھا۔ لیکن میرے لئے یہ بات کوئی معمّا نہیں۔ میں جانتا ہوں کہ آج اُس کے سامنے سب سے بڑا مسئلہ اپنی بیوی کو شہنشاہ، امراء اور سب سے زیادہ مجوسی کاہنوں کے عتاب سے بچانا ہے۔ اگر تمہیں اُس سے کوئی ہمدردی ہے تو تمہاری کوشش بھی یہی ہونی چاہیئے کہ تمہاری وجہ سے اُس کا کوئی دوست دشمن نہ بن جائے اور ایرج ایک ایسا نوجوان ہے جس کی دشمنی اُس کے لئے خطرناک نتائج پیدا کر سکتی ہے ـــــ" عاصم نے فیروز کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "میں تمہارا شکر گزار ہوں اور تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ میری وجہ سے سین کو کسی پریشانی کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔ [illegible] میں احسان فراموش نہیں ہوں۔"

جب عاصم اور فیروز یہ باتیں کر رہے تھے۔ مکان کے کمرے میں یوسیبیا، ایرج اور اپنی بیٹی کی ناخوشگوار بحث سن رہی تھی۔

فسطینہ کہہ رہی تھی۔ "مجھے یہ توقع نہ تھی کہ آپ اُس آدمی کی توہین کریں گے۔ جس نے اپنی جان پر کھیل کر ہماری عزت بچائی ہے۔ اور آپ کو یہ کیسے خیال آیا کہ وہ گھوڑے پر سواری کرنا نہیں جانتا۔؟"

اور ایرج اُسے مطمئن کرنے کے لئے کہہ رہا تھا۔ "فسطینہ! میں اُس سے دل لگی کر رہا تھا اور ایک عرب کو اس قدر حساس نہیں ہونا چاہیئے تھا۔"

یوسیبیا کچھ دیر اُن کی بحث سنتی رہی بالآخر اُس نے کہا۔ "ایرج! وہ ایک غریب الوطن ہے لیکن ہمارا محسن ہے۔ کم از کم تمہیں ہماری خاطر اُس کے ساتھ خوش اخلاقی سے پیش آنا چاہیئے تھا۔"

ایرج نے کہا۔ "مجھے معلوم نہ تھا کہ آپ اُسے اتنی اہمیت دیتی ہیں۔ بہر حال فسطینہ کو معلوم ہے کہ اُس نے میرے ساتھ بھی کوئی رعایت نہیں کی ـــــ اگر ابھی تک اُس کے دل میں کوئی رنجش ہے تو میں جانے سے پہلے اُسے دور کرنے کی کوشش کروں گا۔"

یوسیبیا نے کہا۔ "بیٹا! میں تمہاری شکر گزار ہوں اور اب فسطینہ کا گلہ بھی دور ہو جانا چاہیئے۔"

فسطینہ بولی۔ "امی جان! مجھے کوئی گلہ نہیں۔"

سین کمرے میں داخل ہوا اور ایرج اور فسطینہ ادب سے کھڑے ہو گئے۔ سین نے اپنی بیوی کے قریب بیٹھتے ہوئے تھکی ہوئی آواز میں پوچھا۔ "عاصم ابھی تک نہیں آیا؟"

فسطینہ نے جواب دیا۔ "جی! وہ آ گیا ہے۔"

"اُسے یہیں بلا لو، بیٹی۔"

فسطینہ باہر نکل گئی اور سین نے ایرج کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ "ایرج! بیٹھ جاؤ! تم کھڑے کیوں ہو؟"

ایرج بیٹھ گیا اور سین نے قدرے توقف کے بعد کہا۔ "میں بہت دیر سویا ہوں، تم نے آرام نہیں کیا؟"

"جی! میں نے بھی تھوڑی دیر آرام کر لیا تھا۔"

سین نے کہا۔ "میں نے تمہیں عاصم کے متعلق بتایا تھا؟"

"جی ہاں! اور میں ابھی اُس سے ملاقات بھی کر چکا ہوں۔ میرے خیال میں ایسے آدمی کو ہماری فوج میں بڑا مفید ہوگا"

"میں بھی یہ محسوس کرتا ہوں کہ وہ ایک اچھا سپاہی بن سکتا ہے۔" سین یہ کہہ کر یوسیبیا کی طرف متوجہ ہوا۔ "میرے خیال میں اب تک وہ فارسی میں کافی دسترس پیدا کر چکا ہوگا۔"

"ہاں! وہ بہت ذہین ہے اور اگر اُس کا لب و لہجہ درست ہو جائے تو کسی کو یہ شک بھی نہیں گزرے گا، کہ وہ عرب ہے۔"

سین نے کہا۔ "عربوں کا حافظہ بہت تیز ہوتا ہے اور میں نے کئی ایسے تاجر دیکھے ہیں جو متعدد زبانوں میں بے تکلفی سے گفتگو کر سکتے ہیں۔"

فسطینہ کمرے میں داخل ہوئی اور اپنی ماں کے قریب بیٹھ گئی لیکن عاصم تذبذب کی حالت میں دروازے کے باہر کھڑا رہا۔

سین نے فارسی میں کہا۔ "آؤ! عاصم ہم تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔"

وہ کمرے میں داخل ہوا اور سین کے اشارے پر ایرج کے قریب بیٹھ گیا۔

سین نے کہا۔ "میں نے تم سے وعدہ کیا تھا کہ جنگی مہمات سے فارغ ہونے کے بعد میں اطمینان سے تمہارے مستقبل کے متعلق سوچوں گا اور تمہیں یہ سُن کر خوشی ہوگی کہ جنگ اب ایک فیصلہ کن دور میں داخل ہو چکی ہے۔ غزہ کے سوا بحیرۂ روم کے مشرقی ساحل کے تمام قلعے ہمارے قبضے میں آ چکے ہیں اور اب ہماری فوجیں فلسطین میں داخل ہو گئی ہیں، جہاں دشمن کا سب سے بڑا حصار یروشلم ہے۔ رومی اب اپنی تمام قوت وہاں جمع کر رہے ہیں۔ اور ہمیں یقین ہے کہ یروشلم میں شکست کھانے کے بعد وہ مشرق میں کسی اور محاذ پر ہمارا سامنا کرنے کا حوصلہ نہیں کریں گے اور اس شہر پر قبضہ کرنے کی خواہش پوری ہونے کے بعد ہمارے شہنشاہ بھی شاید جنگ جاری رکھنے میں کوئی فائدہ نہ دیکھیں۔ مجھے صرف ایک رات کے لئے گھر ٹھہرنے کی اجازت ملی ہے اور کل میں یہاں سے روانہ ہو جاؤں گا۔ اب میں تم سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ اگر تمہیں کچھ مدت اور یہاں ٹھہرنا پڑے تو تم اداس تو نہیں ہو جاؤ گے؟"

عاصم نے کچھ دیر سوچنے کے بعد جواب دیا۔ "اگر آپ اجازت دیں تو میں آپ کے ساتھ جانا چاہتا ہوں۔"

فسطینہ کا چہرہ مسرت سے تمتما اٹھا اور یوسیبیا حیرت زدہ ہو کر عاصم کی طرف دیکھنے لگی۔

عاصم نے کہا۔ "میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ اگر آپ کو کبھی ضرورت پڑے تو میں آپ کے خیمے پر پہرا دے سکوں۔"

سین نے جواب دیا۔ "تم اپنے دوستوں کے خیموں پر پہرا دینے کے لئے نہیں بلکہ دشمن کے قلعوں پر فتوحات کے پرچم لہرانے کے لئے پیدا ہوئے ہو — مجھے خوشی ہے کہ میں نے تمہیں پہچاننے میں غلطی نہیں کی تھی۔ مجھے یقین ہے کہ کسی دن میں تمہارے شجاعت آمیز کارناموں پر فخر کر سکوں گا۔ لیکن اگر تم جنگ سے نفرت کرتے ہو تو تمہیں محض میری خاطر فوج میں شامل ہونے کا فیصلہ نہیں کرنا چاہیے۔ میں چاہتا ہوں تم اچھی طرح سوچ لو۔"

"میں نے بہت سوچا ہے۔" عاصم نے اطمینان سے جواب دیا۔

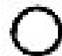
ایرج نے کہا۔ "تمہیں یہ بھی سوچ لینا چاہیے کہ لڑائی کے میدان میں عزت و ناموری کی طرف ہر نئے قدم کے ساتھ جان کا خطرہ بھی ہوتا ہے۔ میں آرمینیا کی جنگوں میں دو بار زخمی ہو چکا ہوں اور میں نے میدان میں گرنے والے بڑے بڑے سورماؤں کو پانی کے ایک گھونٹ کے لئے ترستے دیکھا ہے۔"

عاصم نے حقارت آمیز تبسم کے ساتھ اُس کی طرف دیکھا اور کہا۔ "آپ کو میرے متعلق پریشان نہیں ہونا چاہیے، میں گرتے وقت آپ سے پانی نہیں مانگوں گا۔"

یوسیبیا نے مغموم لہجے میں کہا۔ "بیٹا! کہیں تمہارے دل میں یہ خیال تو نہیں آیا کہ اس گھر میں تمہاری ضرورت نہیں؟"

"نہیں۔" عاصم نے جواب دیا۔ "میں صرف یہ سوچتا ہوں کہ اس گھر کو اپنا گھر سمجھنے کے بعد مجھ پر کچھ ذمہ داریاں بھی عائد ہوتی ہیں۔"

سین سے کچھ دیر اور باتیں کرنے کے بعد عاصم جب باہر نکلا تو وہ ایسا محسوس کرتا تھا کہ اُس کے دل سے ایک بوجھ اُتر چکا ہے۔



اگلے دن طلوعِ آفتاب سے ایک ساعت قبل عاصم سفر کی تیاری کر چکا تھا۔ نوکر اصطبل کے سامنے گھوڑوں کی باگیں تھامے کھڑے تھے۔ لیکن سین اور ایرج ابھی تک باہر نہیں نکلے تھے۔ عاصم کچھ دیر باغ میں ٹہلنے کے بعد اپنے کمرے میں چلا گیا۔ نوکر ناشتہ لے آیا اور وہ کھانے بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد فسطینہ دبے پاؤں کمرے میں داخل

ہوئی اور وہ اپنے دل میں ناخوشگوار دھڑکنیں محسوس کرتے ہوئے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

وہ بولی "مجھ کو ڈر تھا کہ آپ مجھے دیکھے بغیر چلے جائیں گے۔ رات سوتے وقت میرے ذہن میں کئی باتیں تھیں لیکن اب مجھے معلوم نہیں کہ میں کیا کہنا چاہتی ہوں۔"

"فسطینہ!" عاصم نے اپنی پریشانی پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "تمہارے والدین تمہارا یہاں آنا پسند نہیں کریں گے۔"

وہ مسکرائی "ابا جان یہ جانتے ہیں کہ اُن کے بعد آپ سے بڑھ کر میرا اور کوئی محافظ نہیں ہو سکتا اور امی جان کو بھی معلوم ہے کہ میں آپ کو الوداع کہنے آئی ہوں۔ ابھی اُن سے میرا جھگڑا ہو گیا تھا وہ کہتی تھیں کہ آپ کو جنگ سے نفرت ہے اور آپ صرف مجھے خوش کرنے کے لئے جنگ میں حصہ لینے جا رہے ہیں۔"

"اور تم نے کیا کہا تھا؟"

"میں نے کہا تھا کہ ایک بہادر انسان جنگ سے خائف نہیں ہو سکتا۔"

عاصم نے کہا "تم واقعی اس سے خوش ہو کہ میں ایران کی فوج میں شامل ہو رہا ہوں؟ تمہاری والدہ عیسائی ہیں اور میرا خیال ہے کہ تمہارا مذہب بھی اُن سے مختلف نہیں۔ مجھے ڈر ہے کل تم بھی مجھے ایک وحشی اور خونخوار انسان نہ سمجھنے لگو۔"

فسطینہ نے جواب دیا "میرے والد کسریٰ کے دوست ہیں۔ وہ ایران کے ایک نامور جرنیل ہیں اور میں فتوحات، شہرت اور عزت کے راستے میں اُن کا ساتھ دینے والوں کو وحشی یا خونخوار نہیں کہہ سکتی۔ میں جانتی ہوں کہ جب آپ چلے جائیں گے تو دمشق کا شہر میرے لئے سونا ہو جائے گا لیکن میں یہ بھی محسوس کرتی ہوں کہ آپ اس دنیا میں صرف میرے والد کے رفیق بن کر ہی کوئی قابلِ عزت مقام حاصل کر سکتے ہیں۔ میں چاہتی ہوں کہ جب کوئی آپ کا ذکر کرے تو میں فخر سے سر اونچا کر سکوں۔ جب آپ فتوحات کے پرچم لہراتے ہوئے واپس آئیں تو میں آپ کے راستے میں پھول نچھاور کروں۔ میرے لئے سب سے بڑی خوشی یہی ہو سکتی ہے کہ ایران میں کسریٰ اور میرے والد کے بعد آپ کا رتبہ سب سے بلند ہو اور میں یہ ثابت کرنا چاہتی ہوں کہ تم ایک عرب ہونے کے باوجود ایرج جیسے لوگوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ عزت اور احترام کے حق دار ہو۔"

عاصم نے کہا "فسطینہ! مجھے عزت اور شہرت کی ضرورت نہیں۔ لیکن اگر تم میری قبا پر خون کے چھینٹے دیکھ کر خوش ہو سکتی ہو تو میں تمہیں مایوس نہیں کروں گا۔ جنگ کے میدانوں میں میری سب سے بڑی تمنا یہی ہوا کرے گی کہ میں کسی دن تمہارے ہونٹوں پر مسکراہٹ دیکھ سکوں۔ لیکن اگر میرے لئے واپسی مقدر نہ ہوئی تو کوئی تمہیں یہ طعنہ نہیں دے سکے گا کہ میں ایک بزدل کی موت مرا تھا۔"

فسطینہ کی آنکھوں میں اچانک آنسو امڈ آئے اور اُس نے گھٹی ہوئی آواز میں کہا "نہیں، نہیں، ایسا نہ کہیئے مجھے یقین ہے کہ آپ بہت جلد واپس آئیں گے۔ میں آپ کی راہ دیکھا کروں گی۔"

عاصم نے کہا "فسطینہ! تم سین کی بیٹی ہو اور چند سال بعد تمہیں میرے متعلق سوچتے ہوئے بھی ندامت محسوس ہوگی۔ مجھے اس وقت بھی تمہارا یہاں آنا ناقابلِ یقین محسوس ہوتا ہے۔"

فسطینہ نے کہا "آپ وعدہ کیجئے کہ جنگ کے میدان میں بلاوجہ کوئی خطرہ مول نہیں لیں گے۔"

عاصم نے جواب دیا "فسطینہ! تمہیں میرے متعلق پریشان نہیں ہونا چاہیئے۔ اس دنیا میں میری زندگی کی کوئی قیمت نہیں۔ اگر تم مجھے اپنے ابا جان کی فتوحات میں شریک دیکھنا چاہتی ہو تو مجھے اُن تمام خطرات کا سامنا کرنا پڑے گا جو ایک سپاہی کے حصے میں آتے ہیں۔ جنگ کے میدانوں میں میرا خون دوسروں سے زیادہ قیمتی نہیں سمجھا جائے گا۔"

بیلا نہ اچانک دروازے کے سامنے نمودار ہوئی اور اُس نے خوفزدہ لہجے میں کہا "فسطینہ تمہارے ابا جان تمہیں بلاتے ہیں۔"

فسطینہ جلدی سے باہر نکلی تو اُسے مکان کے وسطی دروازے کے سامنے اپنے والدین دکھائی دیئے وہ اُن کے قریب پہنچی تو سین نے بگڑ کر کہا "فسطینہ! ہمارے گھر کے حالات دمشق کے راستے کی منزلوں سے مختلف ہیں۔ ایرج کیا خیال کرے گا؟ مجھے عاصم کے ساتھ تمہاری بے تکلفی پسند نہیں۔ تم اندر جاؤ!"

فسطینہ کچھ کہے بغیر اندر چلی گئی۔ تھوڑی دیر بعد سین کمرے میں داخل ہوا تو وہ دونوں ہاتھوں سے منہ چھپائے سسکیاں لے رہی تھی۔

سین نے آگے بڑھ کر پیار سے اُس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا "فسطینہ اب تم بچی نہیں ہو۔ مجھے

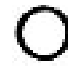
ڈر تھا کہ عاصم ہمارے متعلق کیا خیال کرے گا۔"

فسطینہ نے اپنی سسکیاں ضبط کرتے ہوئے سین کی طرف دیکھا اور کہا۔ "ابا جان مجھے معلوم نہ تھا کہ آپ بُرا مانیں گے ورنہ میں وہاں نہ جاتی۔ اب آپ وعدہ کیجئے کہ اُسے میری غلطی کی سزا نہیں دیں گے۔"

"پگلی کہیں کی" سین نے یہ کہہ کر اُسے اپنے سینے سے چمٹا لیا اور پھر اچانک باہر نکل گیا۔

تھوڑی دیر بعد فسطینہ گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز سن کر کمرے سے باہر نکلی تو وہ بیرونی دروازے کے قریب پہنچ چکے تھے۔ اُس نے یوسیبیا کی طرف دیکھا اور ڈوبتی ہوئی آواز میں کہا۔ "امی جان! میرے لئے یہ بات ناقابلِ برداشت تھی کہ وہ اِس بے بسی کے عالم میں ہمارے در پر پڑا رہے۔ لیکن اگر وہ واپس نہ آیا تو میں بھی زندہ نہ رہوں گی آپ اُس کے لئے دعا کریں۔"

ماں نے بے اختیار اُسے سینے سے لگا لیا اور کہا۔ "بیٹی! تم جانتی ہو کہ وہ مجھے ایک بیٹے کی طرح عزیز ہے۔"



لبنان کی گل پوش وادیوں میں خون کی ندیاں بہانے کے بعد ایرانی لشکر نے فلسطین کا رخ کیا اور اردن اور گلیلی کے علاقوں میں تباہی مچا دی۔

اب ایران اور روم کی جنگ، آگ اور صلیب کے ایک فیصلہ کن معرکے میں تبدیل ہو چکی تھی۔ مقامی عیسائی اِس یقین کے ساتھ اپنے رومی آقاؤں کے دوش بدوش لڑ رہے تھے کہ قدرت نوشیرواں کی طرح اُس کے پوتے کو بھی بیت المقدس سے دور رکھنے میں اُن کی مدد کرے گی۔ جو لوگ ایرانیوں کی پیش قدمی سے دہشت زدہ ہو کر اسکندریہ کی طرف ہجرت کر رہے تھے اُن کی جگہ شام اور لبنان سے بھاگنے والے وہ پادری اور راہب لے رہے تھے جن کے گرجوں اور خانقاہوں کو ایرانیوں نے آتش کدوں میں تبدیل کر دیا تھا۔ یہ لوگ عوام کو مفتوحہ شہروں اور بستیوں کے لوگوں کی مظلومیت کی داستانیں سناتے تھے، اور اُن کے مُردہ حوصلوں میں جان ڈالنے کے لئے دینِ مسیح کی فتح و نصرت اور آتش پرست ایرانیوں کی تباہی اور بربادی کی بشارتیں دیتے تھے۔ چنانچہ ایرانی اپنی عسکری برتری کے باوجود قدم قدم پر شدید مزاحمت سے دوچار ہو رہے تھے۔ گرجوں اور خانقاہوں میں اب روحانی برکات کی بجائے

تقسیم ہوتی تھیں اور ہزاروں راہب زندگی اور موت سے بے پروا ہو کر میدان میں آ چکے تھے۔

لیکن ان تمام باتوں کے باوجود ایران کی لاتعداد فوج ارضِ مقدس کے شہروں اور بستیوں کو تباہ و ویران کرتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھی۔ اس جنگ میں فلسطین کے یہودی جو عیسائیوں کے ازلی دشمن تھے۔ من حیث القوم ایرانیوں کے حلیف بن چکے تھے۔ پرویز اُن کے نزدیک کوئی بیرونی حملہ آور نہ تھا بلکہ ایک ایسا مربی اور سرپرست تھا جسے قدرت نے انہیں نصرانیوں کی غلامی سے نجات دلانے کے لئے بھیجا تھا۔ جب فاتح لشکر کسی قصبے یا شہر میں داخل ہوتا تھا تو جنگی قیدیوں اور نہتے عوام کو ٹھکانے لگانے کا کام اِس کینہ پرور قوم کے رضاکاروں کو سونپ دیا جاتا تھا جو برسوں سے اپنے جذبۂ انتقام کی تسکین کے لئے کسی موقع کا انتظار کر رہی تھی۔ ایرانی لشکر میں خونخوار یہودیوں کی تعداد ساٹھ ہزار تک پہنچ چکی تھی۔

اردن اور گلیلی کے علاقے فتح کرنے کے بعد پرویز کی فوجیں یروشلم کے گرد گھیرا ڈال رہی تھیں۔ مفتوحہ علاقوں سے جانیں بچا کر بھاگنے والے انسانوں کے بعض قافلے غزہ اور اسکندریہ کا رُخ کر رہے تھے اور بعض یروشلم میں پناہ لے رہے تھے۔

ایرانیوں، یہودیوں اور عراقِ عرب کے جنگجو قبائل کی متحدہ قوت کے سامنے پے در پے شکستیں کھانے کے باوجود یروشلم کے ناقابلِ تسخیر ہونے کے متعلق عیسائیوں کا یقین متزلزل نہ ہوا تھا۔ چاروں طرف سے دشمن کی پیش قدمی کے باعث ان کی رسد اور کمک کے راستے مسدود ہو چکے تھے لیکن وہ مایوس نہ تھے۔ اُن کے بشپ اور راہب انہیں اس قسم کی تسلیاں دے رہے تھے کہ دشمن کا ہر قدم تباہی کی طرف اٹھ رہا ہے۔ جب وہ یروشلم پر حملہ کرے گا تو قدرت کی ان جانی اور ان دیکھی قوتیں حرکت میں آجائیں گی۔ فلاں راہب نے دینِ مسیح کی نصرت کے متعلق جو خواب دیکھے ہیں وہ غلط نہیں ہو سکتے۔ فلاں بزرگ نے جو پیش گوئی کی ہے وہ درست ثابت ہو گی۔ یروشلم کے بیشتر یہودی پہلے ہی اپنے گھر بار چھوڑ کر ایران کے مفتوحہ علاقوں میں پناہ لے چکے تھے لیکن کچھ ایسے بھی تھے جنہیں فرار ہونے کا موقع نہیں ملا تھا اور وہ عیسائیوں کے ہاتھوں اپنی قوم کی بداعمالیوں کی سزا بھگت رہے تھے۔ جو عیسائی دوسرے شہروں سے فرار ہو کر یہاں پہنچے تھے وہ اپنے ساتھ یہودیوں کے بے پناہ مظالم کی ان گنت داستانیں لائے تھے اور اب یروشلم میں یہودیوں کے ساتھ وہی سلوک ہو رہا تھا جو انہوں نے اپنے عیسائی ہمسایوں کے ساتھ روا رکھا تھا۔

گلیلی اور اردن کے چند یہودی جنھیں ایرانیوں نے جاسوسی کے لئے منتخب کیا تھا عیسائیوں کے بھیس میں یروشلم کے اندر داخل ہو چکے تھے اور مقامی لوگوں کو دہشت زدہ کرنے کے لئے طرح طرح کی افواہیں پھیلا رہے تھے۔ ایک دن گلیلی کے کسی عیسائی پناہ گزین نے ایک یہودی جاسوس کو، جو نصرانی راہب کا لباس پہنے تھا پہچان لیا۔ جاسوس نے بھاگنے کی کوشش کی لیکن عیسائی کی چیخیں سن کر چند آدمیوں نے اُس کا پیچھا کیا اور اُسے پکڑ کر مشتعل ہجوم کے حوالے کر دیا۔ تھوڑی دیر میں جاسوس اپنے جرم کی سزا بھگت چکا تھا اور لوگ اُس کی لاش مسخ کر رہے تھے اس کے بعد شام سے پہلے پہلے کئی لوگ جن میں سے اکثر بے گناہ تھے گرفتار کئے جا چکے تھے۔ عوام کو ایک اجنبی کے خلاف مشتعل اور پولیس کو پکڑ دھکڑ پر آمادہ کرنے کے لئے کسی انتہائی غیر ذمہ دار آدمی کا یہ نعرہ کافی سمجھ لیا جاتا تھا کہ فلاں شخص یہودی ہے اور پولیس اذیت رسانی کے ایسے طریقوں سے واقف تھی جو انتہائی معصوم آدمیوں کو بھی اقبال جرم پر مجبور کر دیتے تھے ـــــ جب ایک بے گناہ ناقابل برداشت جسمانی اذیتوں کے باعث جرم کا اقبال کرتا تو اُسے اپنے ساتھیوں کا نام بتانے کے لئے مزید اذیتیں دی جاتیں۔ پھر اُس کی نشان دہی پر کئی اور بے گناہ آہنی شکنجوں میں جکڑ دیئے جاتے۔ ایرانیوں کی فتوحات کا سیل رواں ہر آن قریب آ رہا تھا اور یروشلم کے محافظوں کی یہ حالت تھی کہ کسی کو کسی پر اعتماد نہ تھا۔

یہودیوں کی طرح عیسائیوں کے اپنے دو فرقے، نسطوری اور یعقوبی جنھیں کلیسا کا باغی خیال کیا جاتا تھا، مدتوں سے ایک انتہائی متعصب اور بے رحم اکثریت کے جبر و تشدد کی چکی میں پس رہے تھے۔ دائمی مصائب نے ان لوگوں کو بھی یہودیوں کی طرح کلیسا کا بدترین دشمن بنا دیا تھا۔ جب تک رومی حکومت اور کلیسا کا دبدبہ قائم رہا یہ اقلیتی فرقے طوعاً و کرہاً ان کی وفاداری کا دم بھرتے رہے لیکن جب ایرانیوں کی فتح یقینی نظر آنے لگی تو یہودیوں کی طرح ان لوگوں نے بھی اپنے مستقبل کی ساری امیدیں کسریٰ سے وابستہ کر دیں۔

باب ۱۹

عاصم سین کی رفاقت میں فلسطین کے کئی معرکوں میں حصہ لے چکا تھا۔ جنگ جس کے اچھے اور بُرے پہلوؤں پر غور کرتے ہوئے وہ اپنے ذہن میں ایک ہیجان محسوس کیا کرتا تھا اب اُسے ایک کھیل محسوس ہوتی تھی۔ ایک ایسا کھیل جس سے اُس کی ابتدائی دلچسپی، محبت یا نفرت اور دوستی یا دشمنی کے جذبات سے خالی تھی۔ کسریٰ کی فتح یا قیصر کی شکست کی بجائے اُس کے لئے یہ مسئلہ کہیں زیادہ اہم تھا کہ سین اس جنگ میں حصہ لے رہا ہے اور وہ اُس کا دوست اور ساتھی ہے۔ لیکن رفتہ رفتہ وہ عصبیتیں جنھیں وہ یثرب کی خاک میں دفن کر آیا تھا دوبارہ زندہ ہو رہی تھیں اور سین کے دوست اُسے اپنے دوست اور سین کے دشمن اُسے اپنے دشمن محسوس ہوتے تھے۔ سین ایران کی فتح کے لئے لڑ رہا تھا اور ضمیر کی دبی دبی سسکیوں کے باوجود یہ فتح عاصم کے لئے بھی ایک مقصد حیات بنتی جا رہی تھی۔

سین فرصت کے اوقات میں اُسے منظم لڑائی کے طور طریقے سکھایا کرتا تھا ـــــ اور عاصم اپنی خداداد ذہانت کے باعث اُس کی بلند ترین توقعات پوری کر رہا تھا ـــــ سین کو اگر عاصم کے متعلق کوئی بے اطمینانی تھی تو یہ کہ لڑائی کے میدان میں اپنی انفرادیت قائم رکھنے کے لئے اُس کا شوق بسا اوقات ضبط و نظم کے تقاضوں پر غالب آجاتا تھا۔ اپنے وطن میں عاصم نے صرف انتہائی محدود پیمانے پر وہ قبائلی لڑائیاں دیکھی تھیں جن میں فریقین کے پہلوانوں کی انفرادی شجاعت کو ایک فیصلہ کن عنصر سمجھا جاتا تھا لیکن دنیا کی دو عظیم ترین سلطنتوں کے معرکوں میں ہزاروں انسانوں کا اجتماعی نظم و ضبط انفرادی شجاعت سے زیادہ اہمیت رکھتا تھا۔

سین کو پانچ ہزار سواروں کی کمان مل چکی تھی۔ وہ پرویز کے انتہائی ہوشیار جرنیلوں میں سے تھا اور عاصم کو ان

منظم جنگوں کے قواعد وضوابط سکھانے کے لئے اُس سے بہتر اُستاد نہیں مل سکتا تھا۔ فرصت کے اوقات میں وہ عاصم کو اپنے پاس بٹھالیتا اور کوئی نقشہ کھول کر اُس کے سامنے رکھتے ہوئے کبھی اُسے کسی گزشتہ لڑائی کے پلان کی خوبیاں یا خامیاں سمجھاتا اور کبھی آئندہ کے لئے صف بندی اور حملے کی مختلف تجاویز پر بحث شروع کر دیتا۔ عاصم کی فطری صلاحیتیں سین کی توقعات سے کہیں زیادہ ثابت ہوئی تھیں اور چند ہفتوں میں اُسے پچاس سواروں کی کمان مل چکی تھی۔ ان سواروں کے لئے یہ بات نئی تھی کہ اُن کا سالار ایک عرب تھا۔ اور ابتدا میں وہ یہی خیال کرتے تھے کہ اس اجنبی کو کسی خدمت کے عوض نوازا گیا ہے۔ لیکن چند معرکوں کے بعد یہ دستہ ساری فوج میں ایک غیر معمولی شہرت و عزت حاصل کر چکا تھا اور اس کا ہر سپاہی اپنے سالار پر فخر کرتا تھا۔ عاصم کی نگاہوں میں ان پچاس سواروں کی حیثیت اپنے قبیلے کے آدمیوں کی سی تھی اور اس کی تمام دلچسپیاں انہیں دوسروں کے مقابلے میں زیادہ معزز، زیادہ بہادر، فرض شناس اور قابل اعتماد ثابت کرنے تک محدود تھیں۔ ایران کے سماج میں زیردستوں اور بالادستوں کا رشتہ بندوں اور آقاؤں کا رشتہ تھا اور فوج کے اندر بھی یہی حالت تھی۔ کہ افسر، جو عام طور پر طبقہ اعلیٰ سے تعلق رکھتے تھے، اپنے سپاہیوں کو غلاموں کی طرح حقیر سمجھتے تھے لیکن عاصم اپنے سپاہیوں کا غمگسار دوست اور درد مند ساتھی بن چکا تھا اور اپنے دل میں اُن کے لئے وہی شفقت محسوس کرتا تھا جو ایک عرب سردار کے دل میں اپنے قبیلے کے آدمیوں کے لئے ہو سکتی تھی۔ اور یہ لوگ اُس کے اشارے پر جان دیتے تھے پھر جس طرح ایک سردار ہمیشہ اپنے قبیلے کی نگاہوں میں ممتاز رہنا پسند کرتا ہے۔ عاصم بھی اپنی ایک امتیازی شان برقرار رکھنے کے لئے کوشاں رہتا تھا۔

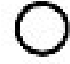
لڑائی کے میدان میں سین کی نگاہیں ہمیشہ اُسے کسی ایسے مقام پر تلاش کرتی تھیں جہاں دشمن کا دباؤ سب سے زیادہ ہوتا تھا۔ اُس کے سپاہی سائے کی طرح، ہمیشہ اُس کے ساتھ لگے رہتے۔

لڑائی کے بعد جب اُس کے تھکے ہارے سپاہی کسی چٹان یا ریت کے ٹیلے پر سستاتے تو وہ بھی اُن کے پاس بیٹھ جاتا۔ وہ اُس کی موجودگی میں بے تکلفی سے باتیں کرتے اور ہنستے بولتے تھے اور وہ اُن کے ہر غم اور ہر خوشی میں شریک ہونا اپنا فرض خیال کرتا تھا۔ سین اس بات پر خوش تھا کہ اُسنے عاصم کے افسردہ چہرے کے لئے مسکراہٹوں کے سامان مہیا کر دیئے ہیں۔

عرب قبائل کے رضاکار اور اُن کے سردار، عاصم کی جرأت و ہمت کے معترف تھے۔ جب سے انہیں یہ

معلوم ہوا تھا کہ عاصم یثرب کے ایک عرب خاندان سے تعلق رکھتا ہے وہ اُس سے اور بھی بے تکلف ہو گئے تھے۔ فرصت کے اوقات میں وہ عاصم کو تیراندازی، تیغ زنی اور نیزہ بازی کے مقابلوں میں دعوت دیا کرتے تھے۔ اور وہ نامی گرامی پہلوانوں سے اپنا لوہا منوا چکا تھا۔ چند ہی مہینوں میں عاصم کی مصروفیتوں میں اس قدر اضافہ ہو چکا تھا کہ اُسے اپنے ماضی یا مستقبل کے متعلق سوچنے کا موقع ہی نہ ملتا تھا۔ فرصت کے اوقات میں، وہ اپنے سپاہیوں سے فراغت پاتا تو کسی عرب قبیلے کے رضاکاروں کی محفل میں جا بیٹھتا۔ تاہم ان تمام دلچسپیوں اور مصروفیتوں کے باوجود جب کبھی وہ اس جنگ میں یہودیوں کے کردار کے متعلق سوچتا تو اُسے ایسا محسوس ہوتا کہ شام اور فلسطین کے حالات یثرب کے حالات سے مختلف نہیں — وہاں یہودی اوس و خزرج کی دائمی نزاع میں اپنی بھلائی دیکھتے ہیں اور یہاں انہیں روم اور ایران کے شہنشاہوں کی زور آزمائی میں اپنا مفاد نظر آتا ہے۔ یہودی جنگ کے میدان سے عام طور پر دُور رہتے تھے لیکن فتح کے بعد جب بے بس انسانوں پر قوت آزمائی کا موقع ملتا تو وہ سب سے آگے ہوتے تھے — کبھی کبھی اُن کی وطن دشمنی، شقاوت اور بربریت کے خلاف عاصم کا ضمیر چیخ اٹھتا لیکن یہ چیخیں جنگ کے ہنگاموں میں دب کر رہ جاتیں۔ وہ ایک ایسے تیز رفتار قافلے کے ساتھ شامل ہو چکا تھا جس کے مسافروں کو اپنے گرد و پیش کا جائزہ لینے کی فرصت نہ تھی اور وہ ایک ایسا راستہ اختیار کر چکا تھا جس کی منزلیں خون میں ڈوبی ہوئی تھیں، اور یہودی اُس کی تمام نفرت و حقارت کے باوجود اُس کے ہم سفر بن چکے تھے۔ وہ ایک آندھی کے ساتھ اڑ رہا تھا ایک سیلاب کے ساتھ بہہ رہا تھا اور اب کسی نئے راستے یا منزل کے متعلق سوچنا اُس کے بس کی بات نہ تھی۔ لطیف اور نازک خیالات صرف اُس وقت پریشان کرتے جب اُسے رات کی تنہائیوں میں سوچنے کا موقع ملتا۔ لیکن اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر میدان جنگ کا رُخ کرتے وقت وہ صرف ایک سپاہی رہ جاتا تھا۔ آئے دن اُس کے قدردانوں کی تعداد میں اضافہ ہو رہا تھا لیکن اُس کی بڑھتی ہوئی شہرت و مقبولیت نے بعض لوگوں میں حسد و رقابت کے جذبات بھی بیدار کر دیئے — ایرج، سین کی فوج میں ایک ہزار سپاہیوں کا سالار ہونے کے باوجود عاصم کو اپنا حریف سمجھتا تھا — اُس کے دل میں پہلی ملاقات کی تلخی ابھی تک باقی تھی۔ اور اب وہ یہ دیکھ رہا تھا کہ یہ عرب جس سے برابر کی سطح پر بات کرنے کے تصور ہی سے اُسے کراہت محسوس ہوتی تھی شہرت اور ناموری کے میدان میں سرپٹ دوڑ رہا ہے۔ — ایرج نے عاصم کو ایک ایرانی دستے کا افسر بنانے کی مخالفت

کی تھی اور اُس کا سب سے بڑا اعتراض یہ تھا کہ ایرانی ایک عرب کی سرداری قبول نہیں کریں گے لیکن اب وہ یہ دیکھ رہا تھا کہ ایرانی، جنہیں اُس سے نفرت و حقارت سے پیش آنا چاہیئے تھا، اُس کے پجاری بن چکے ہیں۔



ایک دن پرویز کی فوجیں یروشلم سے چار منزلوں کے فاصلے پر پڑاؤ ڈالے پڑی تھیں کہ اچانک اُسے اطلاع ملی کہ غسانی قبائل کے ایک تازہ دم لشکر نے دفعتہً حملہ کر کے گلیل کے دو شہروں پر قبضہ کر لیا ہے۔ اور اب یہ لوگ چند میل دُور ایرانی افواج کے عقب میں جمع ہو کر کسی بڑے حملے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔

غسانی عرب عیسائی تھے اور رومیوں کے طاقتور حلیف خیال کئے جاتے تھے چنانچہ پرویز نے یروشلم پر حملہ کرنے سے پہلے ان کی طرف توجہ دینا ضروری سمجھتے ہوئے کسی توقف کے بغیر سین کو پیش قدمی کا حکم دیا۔ اس مہم میں یمن اور عراق عرب کے رضاکار بھی شریک ہو گئے۔ اس لشکر میں ایرانیوں کے علاوہ دو ہزار عرب سوار لخم، تمیم اور دوسرے حلیف قبائل کی نمائندگی کرتے تھے۔ بنو بکر کے پانچ سو سواروں کے ایک قوی ہیکل سردار کا نام حابس تھا اور اُس سے عاصم کی ابتدائی دلچسپی کی وجہ یہ تھی کہ اُس کا دایاں ہاتھ کٹا ہوا تھا۔ روانگی کے وقت سین نے اُسے یہ سمجھانے کی کوشش کی کہ تم بذاتِ خود اس مہم پر جانے کی بجائے، اپنے آدمیوں کی رہنمائی کے لئے کسی اور کو بھیج دو لیکن اُس نے جواب دیا۔ "میرے قبیلے کے آدمی صرف میری موجودگی میں مردانگی کے جوہر دکھا سکتے ہیں اور میں یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ وہ کسی سے پیچھے رہ جائیں۔" پھر جب ایک شہر کے باہر کھلے میدان میں لڑائی شروع ہوئی تو حابس کے سپاہی پہلے ہلے میں ہی دشمن کے قلب تک پہنچ چکے تھے۔ غسانی لشکر نے کچھ دور پیچھے ہٹنے کے بعد پوری قوت سے جوابی حملہ کیا اور اُس کے دائیں اور بائیں بازو کے سواروں نے آگے بڑھ کر حابس کے لئے پیچھے ہٹنے کا راستہ مسدود کر دیا۔

تھوڑی دیر بعد پھر ایرانیوں کا پلہ بھاری نظر آنے لگا اور غسانی دوبارہ پیچھے ہٹنے لگے لیکن حابس کے جانباز ابھی تک اُن کے نرغے میں تھے۔ ایک شدید حملے کے بعد چند ایرانی اور عرب دستے دشمن کا گھیرا توڑ کر آگے بڑھے لیکن اتنی دیر میں حابس کے ڈیڑھ سو آدمی ہلاک اور زخمی ہو چکے تھے۔ وہ خود بھی زخمی تھا اور بڑی مشکل سے گھوڑے پر اپنا

توازن قائم رکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اُس کے ساتھی اپنی تلواروں اور نیزوں کی مدد سے دُشمن کو پیچھے ہٹا رہے تھے اچانک ایک غسانی کا نیزہ حابس کے گھوڑے کی گردن پر لگا گھوڑا اُچھلا اور حابس ایک طرف لڑھک گیا۔ اس عرصہ میں عاصم اور اُس کے ساتھیوں کے علاوہ ایرانی لشکر کے چند اور دستے اس کی مدد کیلئے پہنچ گئے اور انہوں نے دشمن کو پیچھے ہٹا دیا۔ عاصم نے گھوڑے سے کود کر گرے ہوئے سردار کو اٹھایا اور پلک جھپکتے میں اُسے زین پر ڈال کر اُس کے پیچھے بیٹھ گیا، تھوڑی دیر بعد میدان صاف ہو چکا تھا اور عاصم حابس کو ایک خیمے میں لٹا کر اُس کی ران کے زخم پر پٹی باندھ رہا تھا۔

ایک ساعت بعد جب حابس کو ہوش آیا تو سین، ایرج اور چند عرب سردار اُس کے گرد جمع تھے۔ اپنے تیمارداروں سے چند سوال کرنے کے بعد اُس نے پوچھا۔ "اور وہ کون ہے جس نے میری جان بچائی ہے؟"

تمیمی رضاکاروں کے سردار نے عاصم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "تمہارا محسن یہ ہے!"

حابس کچھ دیر بغور عاصم کی طرف دیکھتا رہا پھر اُس نے احسانمندانہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "نوجوان! میرے قریب آؤ۔"

عاصم آگے بڑھا اور حابس نے اُس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔ "میں تمہارا شکر گزار ہوں۔"

ایرج نے کہا۔ "تمہیں خودکشی کے لئے میدان میں آنے کی ضرورت نہ تھی۔ تمہارے بے معنی جوش سے کئی کارآمد آدمی مارے جا چکے ہیں۔"

حابس کا چہرہ غصے سے تمتما اٹھا اور سین نے فوراً مداخلت کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے کہا۔ "وہ کارآمد آدمی اِس لئے مارے گئے کہ جب حملہ کرنے کی ضرورت تھی تم تذبذب کی حالت میں کھڑے تھے اگر تم بھی عاصم کی طرح فرض شناسی کا ثبوت دیتے تو اُن میں سے اکثر کی جانیں بچائی جا سکتی تھیں۔"

ایرج جسے ہر معاملے میں سین سے دلجوئی اور نازبرداری کی توقع تھی، اپنا سا منہ لے کر رہ گیا اور چند ثانیے بعد جب یہ لوگ جنگ کے واقعات پر گفتگو کر رہے تھے وہ اُن کی نگاہوں سے بچتا ہوا دبے پاؤں خیمے سے باہر نکل گیا۔

تھوڑی دیر بعد جب سین اور دوسرے لوگ حابس کے خیمے سے جانے لگے تو حابس نے سین سے کہا۔

آپ تھوڑی دیر ٹھہریئے میں آپ سے ایک ضروری بات کرنا چاہتا ہوں۔"

سین رک گیا اور باقی لوگ خیمے سے باہر نکل گئے۔ عابس نے کہا "مجھے اس بات کا پورا احساس تھا کہ میں دائیں ہاتھ سے محروم ہونے کے بعد لڑنے کے قابل نہیں رہا لیکن لخمی اور تمیمی سرداروں نے میرے آدمیوں کو بزدلی کا طعنہ دیا تھا اور میں اُن پر یہ ثابت کرنا چاہتا تھا کہ تلوار اٹھائے بغیر بھی میں اپنے آدمیوں کو شیروں کی طرح لڑا سکتا ہوں لیکن آئندہ کچھ عرصے کے لئے میں شاید گھوڑے پر سواری بھی نہ کر سکوں اب میرے آدمیوں کو ایک اچھے راہنما کی ضرورت ہے اور یثرب کا یہ نوجوان، جس نے آج میری جان بچائی ہے، ہر لحاظ سے اس ذمہ داری کا بوجھ اٹھانے کا اہل ہے۔"

سین نے کچھ دیر سوچنے کے بعد سوال کیا "آپ کے قبیلے کے آدمی اس کی قیادت میں لڑنا پسند کریں گے؟"

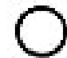
"کیوں نہیں! اُس نے میری جان بچائی ہے اور میرا ہر آدمی اُسے آنکھوں پر بٹھانے کے لئے تیار ہو گا۔ میں نے سنا ہے کہ اپنے قبیلے سے اُس کا رشتہ کٹ چکا ہے اگر وہ پسند کرے تو میں اُسے اپنے قبیلے میں داخل کرنے کو تیار ہوں۔ میں اُسے اپنا بیٹا سمجھوں گا۔"

سین نے مضطرب سا ہو کر اُس کی طرف دیکھا اور کہا "وہ ایک سپاہی ہے اور ایران کی فوج کے سوا اُس کا کوئی قبیلہ نہیں، میں اُسے رضامند کرنے کی کوشش کروں گا۔ لیکن مجھے ڈر ہے کہ وہ اپنے ایرانی دستے کو چھوڑ کر شاید کوئی بڑے سے بڑا عہدہ قبول کرنا بھی پسند نہ کرے۔"

عابس نے پُر امید ہو کر کہا "کیا یہ ایرانی دستہ میرے آدمیوں کے ساتھ نہیں رہ سکتا؟"

سین نے جواب دیا "یہ ہو سکتا ہے۔ اگر تم اس قدر مصر ہو تو وہ تمہیں مایوس نہیں کرے گا۔ لیکن میرا خیال تھا کہ عرب صرف اچھے گھوڑے ہی کو پہچان سکتے ہیں۔"

عابس مسکرایا "جناب! میں پہلے دن اُس کا گھوڑا دیکھ کر ہی اُس کی طرف متوجہ ہوا تھا۔"



شام کے وقت ایرج، سین کے خیمے میں داخل ہوا اور اُس نے کہا "جناب اگر آپ خفا نہ ہوں تو میں کچھ

عرض کرنا چاہتا ہوں۔"

"کیا بات ہے، تم بہت پریشان معلوم ہوتے ہو؟"

"جناب! مجھے معلوم ہے کہ آپ عاصم کو بہت چاہتے ہیں۔ اور میری بھی یہی خواہش ہے کہ آپ دل کھول کر اُس کی نیکی کا بدلہ دیں لیکن وہ فوج کے نظم و ضبط کی اہمیت قطعاً محسوس نہیں کرتا"

سین نے پریشان ہو کر پوچھا "اس نے کیا کیا ہے؟"

"جناب! فوج کے کسی چھوٹے یا بڑے عہدہ دار کو اپنے سپاہیوں کے ساتھ اس قدر مانوس نہیں ہونا چاہیئے کہ وہ اُس کے ساتھ برابری کا دعویٰ کرنے لگیں۔ عاصم دوسروں کے لئے ایک غلط مثال قائم کر رہا ہے۔ آپ ذرا باہر نکل کر دیکھیں اُس کے سپاہی گا رہے ہیں اور وہ اُن کے درمیان زمین پر بیٹھا ہوا ہے۔"

"تمہیں سپاہیوں کا گانا پسند نہیں؟"

"جناب! مجھے یہ شکایت ہے کہ وہ بھی اُن کے ساتھ گا رہا ہے اور اُسے اس بات کا احساس تک نہیں کہ اس قسم کی بے تکلفی سے سپاہیوں کے دل سے اپنے سالار کا رعب اٹھ جاتا ہے۔"

سین نے جواب دیا "ایک سالار کی کامیابی کا اندازہ اُس کے سپاہیوں کی جرأت اور فرض شناسی سے لگایا جاتا ہے اور ہماری فوج کا کوئی دستہ عاصم کے سپاہیوں سے زیادہ بہادر اور فرض شناس نہیں۔ وہ انہیں کوڑے سے ہانکنا پسند نہیں کرتا لیکن جہاں تک اپنے احکام کی تعمیل کرانے کا تعلق ہے فوج کا کوئی سالار اُس سے زیادہ کامیاب نہیں ـــــ" ایرج نے پریشان ہو کر کہا "جناب! ابھی میں اُن کے قریب سے گزر رہا تھا۔ لیکن میرا ادب یا احترام تو درکنار کسی نے میری طرف دیکھنے کی ضرورت بھی محسوس نہیں کی ـــــ فوج کے دوسرے افسروں کو بھی یہ شکایت ہے کہ اُس کے سپاہی بہت گستاخ ہو گئے ہیں اور وہ کسی کی پروا نہیں کرتے۔ مجھے عربوں کے ساتھ اُس کے میل جول پر کوئی اعتراض نہیں، وہ یوں بھی کسی ضبط و نظم کی پابندی نہیں کرتے لیکن سپاہیوں اور عہدہ داروں کے درمیان یہ بے تکلفی ایرانی فوج کی روایات کے منافی ہے۔"

سین نے تلخی کے لہجے میں کہا "ایرج! تمہیں فوج میں ایک اہم عہدہ اس لئے دیا گیا ہے کہ تم ایک بااثر باپ کے بیٹے ہو ـــــ لیکن عاصم فطرتاً سپاہی ہے۔ میں نے اُس پر کوئی احسان نہیں کیا۔ وہ گزشتہ لڑائیوں میں اپنے

آپ کو بڑی سے بڑی ذمہ داری کا اہل ثابت کر چکا ہے۔

میں اُس سے تمہاری عداوت کی وجہ نہیں سمجھ سکا تاہم تمہیں پریشان نہیں ہونا چاہیئے۔ عاصم اب تمہارے ماتحت نہیں رہے گا اور اُس کا طرزِ عمل ان افسروں کو پریشان نہیں کرے گا، جو اپنے سپاہیوں میں عزتِ نفس کے معمولی احساس کو بھی نظم وضبط کے تقاضوں کے منافی سمجھتے ہیں۔ حابس اپنے قبیلے کے جانبازوں کی قیادت کے لئے اُس کی خدمات حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اب تک میں تذبذب میں تھا، میرا خیال تھا کہ میں واپس جا کر کسی اہم عہدے کے لئے شہنشاہ سے اُس کی سفارش کروں گا لیکن اُسے میری سرپرستی کی ضرورت نہیں، آئندہ اگر میرے کسی افسر کو عاصم کے خلاف کوئی شکایت ہو تو اُسے حابس کے پاس جانا چاہیئے میں اُسے ایرانی نہیں بنا سکتا لیکن میں وہ دن دیکھ رہا ہوں، جب تم لوگ اُس سے مصافحہ کرتے ہوئے شرم محسوس نہیں کرو گے۔"

ایرج نے کھسیانا ہو کر کہا۔ "جناب! میں اُس کا دشمن نہیں بلکہ اُس کی جرأت وہمت کا معترف ہوں میں صرف یہ کہنا چاہتا تھا کہ اُسے ذرا احتیاط سے کام لینا چاہیئے۔"

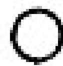
مین نے کہا۔ "ایرج! جاؤ، اب آرام کرو۔ عاصم کو تمہارے مشوروں کی ضرورت نہیں۔ اُس کی دنیا تمہاری دنیا سے مختلف ہے۔"

ایرج انتہائی پریشانی کی حالت میں خیمے سے باہر نکل گیا۔ تھوڑی دیر بعد اپنے خیمے سے کچھ فاصلے پر اُسے عاصم اور اُس کے ساتھیوں کے قہقہے سنائی دے رہے تھے اور وہ ایسا محسوس کر رہا تھا جیسے وہ لوگ اُس کا مذاق اڑا رہے ہیں۔

پرویز کا لشکر یروشلم کا محاصرہ کر چکا تھا۔ چاروں طرف سے رسد و کمک کے راستے بند ہو چکے تھے تاہم شہر کے محافظ جس عزم و ثبات کا مظاہرہ کر رہے تھے وہ اِس سے قبل شام کے کسی اور شہر میں نہیں دیکھا گیا تھا گرجوں اور خانقاہوں میں دعائیں مانگی جا رہی تھیں، خدا رسیدہ راہبوں کی ہڈیوں سے برکات حاصل کی جا رہی تھیں اور معجزات کا انتظار ہو رہا تھا۔ فریقین کے منجنیق ایک دوسرے پر پتھر برسا رہے تھے۔ ایرانیوں نے کئی بار دبابوں اور سیڑھیوں کی مدد سے فصیل پر حملہ کیا لیکن اوپر سے پتھروں، آتشیں تیروں اور کھولتے ہوئے تیل کے آگے اُن کی پیش نہ گئی۔ یروشلم کے محاذ پر پرویز کی موجودگی اُن کے حوصلے زندہ رکھنے کے لئے کافی تھی۔ ہر دستے کا سالار

اور ہر قبیلے کا سردار شہنشاہِ ایران کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے بیتاب نظر آتا تھا۔

فرزندانِ صلیب کے لئے یروشلم کی حفاظت موت وحیات کا مسئلہ بن چکا تھا۔ وہ یہ جانتے تھے کہ شکست کی صورت میں انہیں مکمل تباہی کا سامنا کرنا پڑے گا لیکن رسد و کمک کے تمام راستے مسدود ہو جانے سے اُن کے حوصلے بتدریج پست ہو رہے تھے۔ پھر ایک دن ایرانی فوجیں پوری قوت کے ساتھ چاروں طرف سے یروشلم پر ٹوٹ پڑیں اور انہوں نے فصیل کے ایک حصے پر قبضہ جمانے کے بعد وہ آہنی دروازہ کھول دیا جو ہلاکت و بربادی کے ایک سیلِ عظیم کو روکے ہوئے تھا۔ تھوڑی دیر بعد فصیل کے ہر برج پر صلیب کے جھنڈے سرنگوں ہو چکے تھے اور ایرانی فوجیں مختلف دروازوں سے شہر کے اندر داخل ہو رہی تھیں۔ وحشت اور بربریت کے عفریت انسانیت کے جسم سے تہذیب و اخلاق کا پیرہن نوچ رہے تھے۔ یہودی رضاکار، جنہیں مدت کے بعد اپنے جذبۂ انتقام کی تسکین کا موقع ملا تھا، لوگوں کے گھروں، گرجوں اور خانقاہوں میں داخل ہو گئے تھے۔ یعقوبی اور نسطوری فرقوں کے عیسائی جو کلیسا کے باغی خیال کئے جاتے تھے۔ اب ایرانیوں اور یہودیوں کے ساتھ مل کر اُن راہبوں اور پادریوں سے صدیوں کے مظالم کا انتقام لے رہے تھے جن کی قبائیں کبھی انکے خون سے داغدار تھیں۔ یروشلم میں قتل وغارت اور لوٹ مار کا بازار گرم تھا۔ گلیوں اور بازاروں میں خون کی ندیاں بہ رہی تھیں۔ اُن مقدس گرجوں اور خانقاہوں کو لوٹنے کے بعد مسمار کیا جا رہا تھا جہاں صدیوں سے مشرق و مغرب کی دولت جمع ہو رہی تھی۔ راہب اور پادری اپنی آہنی شکنجوں میں کسے جا رہے تھے جنہیں وہ بد عقیدہ لوگوں کی اصلاح کے لئے استعمال کیا کرتے تھے۔ یروشلم میں دینِ مسیح کا سب سے بڑا پیشوا ذکریا گرفتار ہو چکا تھا۔ وہ مقدس صلیب جس پر عیسائیوں کے عقیدے کے مطابق حضرت عیسیٰؑ نے جان دی تھی مجوسیوں کے قبضے میں آ چکی تھی۔



یروشلم فتح ہونے تک عاصم صرف ایک سپاہی کے ذہن سے سوچتا تھا۔ محاصرے کے دوران میں وہ اپنی غیر معمولی جرأت مندی کے باعث ایران کے سورماؤں سے خراجِ تحسین حاصل کر چکا تھا۔ آخری حملے کے وقت وہ

اُن جانبازوں کے ساتھ تھا جنہیں سب سے پہلے فصیل کے ایک حصے پر قبضہ کرنے میں کامیابی ہوئی تھی لیکن اب وہ معرکہ، جس میں اُس کے سپاہیانہ جوہر پوری طرح بیدار تھے، ختم ہو چکا تھا اور ہار ماننے والے انسانوں کی مظلومیت اور بے بسی اُسے پریشان کر رہی تھی۔

شہر میں داخل ہونے کے بعد فاتح لشکر کے سپاہی بے بس انسانوں کے ساتھ وہی سلوک کر رہے تھے جو عرب کے وحشی قبائل اپنے دشمنوں کے ساتھ کیا کرتے تھے لیکن عاصم کا دل انتقام کے جذبات سے خالی تھا اور وہ اپنے ساتھیوں کی ترغیب کے باوجود وحشت و بربریت کے گھناؤنے کھیل میں حصہ لینے کے لئے تیار نہ ہوا۔

قتل عام کی پہلی رات وہ چند گھنٹے شہر کی گلیوں اور بازاروں میں پھرتا رہا۔ اور پھر آدھی رات کے قریب جب اُس کی قوتِ برداشت جواب دینے لگی تو شہر کے ایک دروازے سے باہر نکلا اور پڑاؤ کی طرف چل دیا۔

راستے میں اُسے اُن سپاہیوں کی ٹولیاں دکھائی دیں جو چیختی چلاتی عورتوں کو گھروں سے نکال کر پڑاؤ کی طرف ہانک رہے تھے۔ عاصم کو یہ چیخیں تلواروں کی جھنکار سے زیادہ خوفناک محسوس ہو رہی تھیں۔ پڑاؤ میں داخل ہوتے ہی وہ سیدھا اپنے خیمے کی طرف بڑھا، چند آدمی جو عرب رضاکاروں کے خیموں اور گھوڑوں کی حفاظت پر متعین تھے اُس کے گرد جمع ہو گئے۔ یہ لوگ کبھی اپنے ساتھیوں کے متعلق پوچھتے اور کبھی عاصم کے خالی ہاتھ واپس آنے پر حیرت کا اظہار کرتے۔ عاصم کا کوئی جواب انہیں مطمئن کرنے کے لئے کافی نہ تھا۔ اچانک پاس ہی ایک خیمے سے عابس کی آواز سنائی دی۔ "عاصم آگیا ہے؟"

"جی ہاں" ایک سپاہی نے جواب دیا۔

"عاصم یہاں آؤ" وہ بلند آواز میں چلایا۔

عاصم خیمے کے اندر داخل ہوا۔ وہاں ایک مشعل جل رہی تھی اور عابس ٹانگیں پھیلائے ایک چٹائی پر بیٹھا تھا۔ اُس نے کہا "میں تمہارا انتظار کر رہا تھا۔ لخمی اور تمیمی رئیس اپنے خیموں میں دادِ عیش دے رہے تھے اور میں یہ سوچ رہا تھا کہ میرے ساتھیوں نے مجھے فراموش کر دیا ہے۔ کم از کم شراب کا ایک مشکیزہ ہی تم نے بھیج دیا ہوتا میں نے آج اُن سے مانگ کر لی ہے۔ وہ سب تمہاری بہادری کی تعریف کرتے تھے۔ اور مجھے یقین تھا کہ تم میرے لئے بہترین تحائف لاؤ گے۔"

عاصم نے کہا "میں آپ کے لئے یروشلم کی فتح کی خوشخبری کے سوا اور کچھ نہیں لایا۔"

عابس چند ثانیے حیرت زدہ ہو کر عاصم کی طرف دیکھتا رہا۔ بالآخر اُس نے کہا "تم مذاق کر رہے ہو۔ میں یہ کیسے مان سکتا ہوں کہ تم یروشلم کی فتح کے بعد خالی ہاتھ واپس آئے ہو۔"

"میں مذاق نہیں کرتا۔ فتح کے بعد وہاں خون، آنسوؤں اور چیخوں کے سوا کچھ نہ تھا"

"میرے آدمی کہاں ہیں؟ کیا وہ بھی تمہاری طرح خالی ہاتھ واپس آگئے ہیں؟"

"نہیں! وہ ابھی تک وہیں ہیں اور جب وہ واپس آئیں گے تو آپ کو یہ شکایت نہیں رہے گی کہ وہ درندگی کا مظاہرہ کرنے میں کسی سے پیچھے رہ گئے ہیں۔ لشکر کے شہر میں داخل ہوتے ہی وہ میرے حکم سے آزاد ہو گئے تھے"

"تم میرے لئے ایک معمّا ہو۔ کبھی کبھی مجھے تمہارے عرب ہونے پر بھی شک ہونے لگتا ہے۔ بیٹھ جاؤ! نہیں اِس وقت شراب کی ضرورت ہے۔ اور میرے مشکیزے میں ابھی چند گھونٹ باقی ہیں یہ لو۔"

عابس نے یہ کہہ کر چھوٹا سا مشکیزہ اٹھایا اور عاصم کو پیش کر دیا۔ عاصم کچھ دیر تذبذب کی حالت میں کھڑا رہا پھر اُس نے ایک گہری سانس لی اور مشکیزہ پکڑ کر عابس کے قریب بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد جب وہ مشکیزہ خالی کر کے ایک طرف پھینک چکا تھا تو عابس نے کہا "میں کہتا تھا کہ تم شراب کو ہاتھ نہیں لگاتے لیکن میں یہ محسوس کیا کرتا تھا کہ تم صرف ایک سالار کی ذمہ داریوں کا لحاظ کرتے ہوئے احتیاط برتتے ہو۔ آج میرا خیال تھا کہ تم یروشلم کے کسی عالیشان مکان پر قابض ہو گے۔ تمہارے سامنے شراب کے مٹکے کھلے ہوں گے اور تمہارے پہلو میں وہ دوشیزائیں ہوں گی جن کے جسم دودھ کی طرح سفید ہوتے ہیں۔"

عاصم نے جواب دیا "میں درست کہتا تھا، میں نے مدت کے بعد شراب کو ہاتھ لگایا ہے۔ جب میں گھر سے نکلا تھا تو میں نے باقی زندگی شراب نہ پینے کا عہد کیا تھا پھر جب میں شام کی حدود میں داخل ہوا تو میں نے یہ عہد کیا تھا کہ تلوار کو بھی ہاتھ نہیں لگاؤں گا لیکن میری تمام قسمیں ٹوٹ چکی ہیں اب مجھے اپنی کسی بات پر یقین نہیں رہا۔"

عابس نے کہا "تم تنہائی محسوس کر رہے ہو اور تمہارا علاج یہ ہے کہ تمہیں دوبارہ شہر میں بھیج دیا جائے وہاں ایسی عورتوں کی کمی نہیں جنہیں دیکھ کر تم ماضی کی تلخیاں بھول جاؤ۔"

عاصم نے جواب دیا "میں وہاں بے شمار لاشیں دیکھ آیا ہوں، اُن سب کا خون سمیرا کی طرح سُرخ تھا۔

اور جو زندہ تھیں اُن کی آہیں اور چیخیں مجھے سمیرا کی آہیں اور چیخیں محسوس ہوتی تھیں۔ کاش! شراب کا نشہ ماضی اور حال کی تمام تلخیوں کو میرے ذہن سے فراموش کر سکتا۔"

عابس نے سوال کیا۔ "سمیرا کون تھی؟"

عاصم نے کچھ دیر سوچنے کے بعد کہا۔ "آپ نے کسی ایسی لڑکی کو دیکھا ہے جس کے چہرے کی روشنی میں آپ کو اپنے بدترین دشمن دوست نظر آنے لگیں۔ جس کی مسکراہٹ آپ کی نفرت کو محبت سے بدل دے۔ جس کے ساتھ آپ کی وفاداری تمام خاندانی اور قبائلی وفاداریوں پر غالب آجائے۔ اور جس کی خاطر آپ اپنے عزیزوں اور دوستوں سے بزدلی اور غداری کے طعنے سننا گوارا کر لیں۔"

"نہیں،" عابس نے پریشان ہو کر جواب دیا۔ "میری رگوں میں ایک عرب کا خون ہے اور کوئی عرب کسی ایسی لڑکی کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ جس کی محبت اُس کی خاندانی اور قبائلی عصبیت پر غالب آجائے۔"

"تو پھر میں آپ کو یہ نہیں سمجھا سکوں گا کہ سمیرا کون تھی اور یہ بات بھی آپ کی سمجھ میں نہیں آسکے گی کہ میں اس وقت شہر سے کیوں بھاگ آیا ہوں۔"

عابس نے کہا۔ "تم میرے لئے ایک معمّا ہو۔ لیکن میں یہ پوچھتا ہوں کہ اگر تمہیں فتح کی خوشی میں حصہ دار بننے سے نفرت ہے تو تم لڑائی میں کیوں شریک ہوتے تھے؟"

"مجھے معلوم نہیں۔"

"لیکن مجھے معلوم ہے۔ میں نے پہلے دن تمہیں لڑائی کے میدان میں دیکھا تھا تو اپنے ساتھیوں سے کہا تھا کہ وہ نوجوان ایک عرب کی طرح لڑتا ہے —— عاصم تم ایک عرب ہو اور مرنا اور مارنا تمہاری سرشت میں ہے۔ تمہاری رگوں میں وہ خون ہے جس کی گردش تلواروں کی روانی سے تیز ہوتی ہے۔ جنگ کے ہنگاموں کے بعد ایک عارضی سکون بعض سپاہیوں کو پریشان کر دیتا ہے لیکن تم بہت جلد ان باتوں کے عادی ہو جاؤ گے۔ آج تم عام لوگوں سے ممتاز رہنے کے شوق میں دشمن کے نیزوں کے سامنے سینہ تان کر کھڑے ہو جاتے ہو، کل تم پرویز کے جرنیلوں پر اپنی برتری ظاہر کرنے کے لئے اس سے زیادہ جرأت اور بہادری کا مظاہرہ کرو گے۔ ہمارا لشکر یروشلم جیسے کئی اور شہروں پر اپنے جھنڈے نصب کرے گا۔ میں نے یروشلم کی فتح کے بعد پہلی مرتبہ تمہیں شراب پیتے دیکھا

مجھے یقین ہے کہ کسی اور شہر کی فتح کے بعد تمہارے پہلو میں کوئی حسین و جمیل لڑکی بھی دیکھ لوں گا۔"

"ے معلوم نہیں کہ کل میرے احساسات کیا ہوں گے لیکن آج میری سب سے بڑی خواہش یہ ہے کہ میں ہوش ہو جاؤں اور اُس وقت تک کسی گوشے میں پڑا رہوں جب تک کوئی مجھے یہ پیغام نہ دے کہ وہ جنگ جس کی پیاس نے تمہیں شراب سے مدہوش ہونے پر مجبور کر دیا تھا ختم ہو چکی ہے اور اب اس زمین کو بے بس انسانوں کے خون اور نسوؤں سے سیراب کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ اب طاقتوروں کے ہاتھ عورتوں، بچوں اور بوڑھوں پر نہیں یں گے۔" عاصم یہ کہہ کر کھڑا ہو گیا۔

"تم کہاں جا رہے ہو؟" عابس نے سوال کیا۔

"میں کہیں شراب تلاش کرنے جا رہا ہوں۔ آپ کے مشکیزے سے چند گھونٹ پینے کے بعد میری پیاس میں اضافہ ہو گیا ہے۔" عاصم یہ کہہ کر خیمے سے باہر نکل گیا۔ کچھ دیر پڑاؤ میں گھومنے کے بعد وہ سین کے خیمے میں داخل ہوا۔ سین بستر پر لیٹا ہوا تھا۔ اُس نے جلدی سے اٹھ کر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "میں تمہارے متعلق ہی سوچ رہا تھا۔ میں ابھی شہنشاہ سے مل کر آیا ہوں۔ میں نے اُن سے تمہاری کارگزاری کا ذکر کیا تھا وہ بہت خوش تھے، آج اُن کے سامنے میرے بعض دوستوں نے بھی تمہاری تعریف کی تھی۔ تم اُن خوش قسمت نوجوانوں میں سے ہو جنہیں انعام کے قابل سمجھا گیا ہے۔ اب تمہیں دو چار دن کے اندر اندر شہنشاہ کی قدم بوسی کے لئے تیار رہنا چاہیئے۔"

عاصم نے کہا۔ "اگر آپ اجازت دیں تو میں شراب کے چند گھونٹ پینا چاہتا ہوں۔"

سین نے متعجب ہو کر عاصم کی طرف دیکھا اور پھر مسکراتے ہوئے کہا۔ "وہ صراحی بھری ہوئی ہے۔ جتنی چاہو پی سکتے ہو۔ قسم توڑنے کے لئے اس سے بہتر موقع کون سا ہو سکتا ہے؟"

عاصم نے سین کے سامنے بیٹھ کر پاس ہی سونے کی صراحی سے ایک پیالہ بھرا اور اُسے ایک ہی سانس میں پی گیا۔ جب وہ دوسری بار پیالہ بھرنے لگا تو سین نے کہا۔ "عاصم! یہ شراب بہت تیز ہے اور تم مدت کے بعد پی رہے ہو۔"

"میں مدہوش ہونا چاہتا ہوں۔" عاصم نے یہ کہہ کر آن کی آن میں دوسرا پیالہ بھی خالی کر دیا —— سین اب قدرے مضطرب ہو کر اُس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ عاصم نے تیسری بار صراحی اٹھانے کی کوشش کی تو سین نے جلدی سے

آگے بڑھ کر اُس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا "نہیں۔ نہیں۔ تم اتنی شراب برداشت نہیں کرسکو گے"۔

"بہت اچھا" عاصم نے اُٹھتے ہوئے کہا "میں آپ کی حکم عدولی نہیں کروں گا"۔

سین نے کہا "تمہاری ٹانگیں لڑکھڑا رہی ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ تم اس سے پہلے بھی پی چکے ہو"۔

"عابس کے مشکیزے میں صرف چند گھونٹ تھے ورنہ میں آپ کو پریشان نہ کرتا" عاصم یہ کہہ کر دروازے کی طرف بڑھا لیکن چند قدم اٹھانے کے بعد گر پڑا۔

سین نے تالی بجائی اور دو پہریدار بھاگتے ہوئے خیمے کے اندر داخل ہوئے۔ سین نے کہا "اسے اُٹھا کر اس کے خیمے میں لے جاؤ۔ لیکن نہیں اسے یہیں ایک طرف لٹا دو" پہریداروں نے حکم کی تعمیل کی اور سین انہیں رخصت کر کے عاصم کے قریب بیٹھ گیا۔

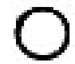
وہ نیم بے ہوشی کی حالت میں بڑبڑا رہا تھا "میں بالکل ٹھیک ہوں۔ میں بے ہوش نہیں ہوں، اگر یروشلم کی گلیوں کا خون شراب بن جاتا اور میں اُس کے اندر غوطے لگاتا تو بھی میں مدہوش نہ ہوتا"

اگلے دن عاصم گہری نیند سے بیدار ہوا تو سین وہاں نہ تھا۔ وہ اٹھ کر آنکھیں ملتا ہوا خیمے سے باہر نکلا اور پہریدار نے ادب سے اُسے سلام کرتے ہوئے کہا "آپ بہت دیر سوتے رہے ہیں۔ آقا کا حکم تھا کہ آپ کو بیدار نہ کیا جائے"

"وہ کہاں ہیں؟"

"وہ علی الصباح شہر چلے گئے تھے۔ اگر حکم ہو تو آپ کے لئے کھانا منگوا لیا جائے"

"نہیں! اس وقت مجھے بھوک نہیں۔ میں ذرا گھومنے پھرنے جا رہا ہوں" عاصم یہ کہہ کر ایک طرف چل دیا۔



یروشلم میں تین دن قتل عام جاری رہا۔ اور تیسرے دن شہر میں بکھری ہوئی نوے ہزار لاشوں کے تعفن نے فاتح لشکر کو پڑاؤ میں پناہ لینے پر مجبور کر دیا۔ اس عرصے میں مال غنیمت کے علاوہ ہزاروں قیدی عورتیں جنہیں غلام بنانے کے قابل سمجھا گیا تھا پڑاؤ میں منتقل کی جا چکی تھیں۔

اس کے بعد ایک ہفتہ فتح کا جشن منایا گیا، سرکردہ یہودی نذرانے پیش کرنے اور ایرانی اور عرب قبائل ے جانباز اپنی کارگزاری کے انعامات حاصل کرنے باری باری کسریٰ کے دربار میں حاضر ہوئے۔ عاصم کا ام ایک خوبصورت تلوار تھی جس کا دستہ قیمتی جواہرات سے مرصع تھا۔

جشن کے اختتام پر جنگی قیدیوں اور مالِ غنیمت سے لدے ہوئے اونٹوں کا ایک قافلہ مسلح دستوں کی ناظت میں ایران کی طرف روانہ کر دیا گیا۔ اور باقی لشکر نئے محاذوں کی طرف کوچ کرنے کی تیاریوں میں مصروف ہو گیا۔ وہ طوفان، جس کی شدت نے عاصم کو نڈھال کر دیا تھا، گزر چکا تھا اور اُس کی طبیعت آہستہ آہستہ سنبھل ہی تھی۔ ایک رات وہ عابس کے خیمے میں چند عرب سرداروں کے درمیان بیٹھا تھا۔ یہ لوگ اپنے اپنے قبیلے کے شہور شعرا کا کلام سنا رہے تھے۔ ایک ایرانی نوجوان خیمے میں داخل ہوا اور اُس نے عاصم کو اپنی طرف متوجہ کرتے ہوئے کہا "سین آپ کو بلاتے ہیں"۔

عاصم اٹھ کر اُس کے ساتھ چل دیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ سین کے خیمے میں داخل ہوا۔

سین نے اُسے اپنے قریب بٹھاتے ہوئے کہا "عاصم! میں نے تمہیں ایک اہم خبر سنانے کے لئے بلایا ہے مجھے ایشیائے کوچک کے محاذ پر بھیجا جا رہا ہے"۔

"ہم کب جا رہے ہیں؟" عاصم نے سوال کیا۔

"میں پرسوں روانہ ہو جاؤں گا لیکن تم میرے ساتھ نہیں جاؤ گے۔ اب کچھ عرصے کے لئے ہمارے راستے ایک دوسرے سے مختلف ہوں گے"۔ عاصم کا دل بیٹھ گیا اور کوشش کے باوجود اُس کے مُنہ سے کوئی بات نہ نکل سکی۔ سین نے اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا "بیٹا! پریشان ہونے کی کوئی بات نہیں موجودہ حالات میں تمہارے لئے مصر کی طرف پیش قدمی کرنے والے لشکر کے ساتھ رہنا زیادہ سُود مند ہے۔ آج شہنشاہ کے سامنے یہ مسئلہ پیش ہوا تھا کہ عرب قبائل کے رضاکار عام طور پر فوجی ضبط و نظم کی پروا نہیں کرتے۔ وہ جس قدر بہادر ہیں اُسی قدر خود سر بھی ہیں اور افریقہ میں ہمیں ایسے حالات پیش آ سکتے ہیں جن میں اُن لوگوں کو قابو میں رکھنے کے لئے کسی ہوشیار اور معاملہ فہم آدمی کی ضرورت پڑے۔ مہران جسے افریقہ کی طرف پیش قدمی کرنے والی فوج کی قیادت سونپی گئی ہے۔ تمہیں اپنے ساتھ لے جانے پر مصر تھا۔ وہ یہ کہتا تھا کہ مجھے یثرب کے اِس نوجوان کے سوا اور کوئی

نظر نہیں آتا جسے عرب رؤسا متفقہ طور پر اپنا سالار تسلیم کرنے پر آمادہ ہو جائیں۔ اُن کے درمیان اگر کوئی اختلافات پیدا ہوں تو تمہاری آواز فوج کے ایرانی عہدہ داروں سے زیادہ موثر ثابت ہو سکے گی۔

عاصم! مجھے یقین ہے کہ اب تمہیں اپنے جوہر دکھانے کے بہترین مواقع ملیں گے۔ اگر میں تمہیں سامنے لے جاؤں تو ایشیائے کوچک میں تمہیں صرف ایرانی عہدہ داروں یا اُن ترک قبائل کے سرداروں سے سابقہ پڑے گا جو ہمارے حلیف ہیں لیکن یہ لوگ تمہاری سپاہیانہ صلاحیتوں کا اعتراف کرنے کی بجائے تمہارے حاسد بن جائیں گے۔ تم وہاں ایک اجنبی سمجھے جاؤ گے لیکن افریقہ کے محاذ پر لڑنے والے عربوں کے راہنما بن کر تم ایرانیوں سے بھی خراجِ تحسین حاصل کر سکو گے۔ کم از کم ہمارے جرنیلوں میں تمہیں کوئی اپنا رقیب خیال نہیں کرے گا۔

صبح مہران عرب رؤسا کو بلا کر یہ کہے گا کہ تمہیں متفق ہو کر کسی ایک کو اپنا سالارِ اعلیٰ بنا لینا چاہیئے اور مجھے یقین ہے کہ جب وہ کسی غیر جانبدار عرب کو تلاش کریں گے تو اُن کی نگاہیں لامحالہ تمہی پر مرکوز ہوں گی۔ اس کے بعد تمہیں میرے سہارے کی ضرورت نہیں رہے گی۔ عزت، شہرت اور کامیابی کا کوئی راستہ ایسا نہ ہوگا جسے تم اپنی تلوار کی نوک سے نہیں کھول سکو گے۔"

عاصم نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا "لیکن مجھے شہرت اور کامیابی کی ضرورت نہیں۔ میں صرف آپ کی وجہ سے یہاں آیا تھا۔ اور عابس کے آدمیوں کی راہنمائی بھی میں نے صرف اس لئے قبول کی تھی کہ آپ یہ چاہتے تھے۔ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ ہمارے راستے ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں گے تو میں گزشتہ جنگوں میں بہادری کا مظاہرہ کرنے کی بجائے بزدل کہلانا زیادہ پسند کرتا۔"

"عاصم! ہمارے راستے ہمیشہ کے لئے جُدا نہیں ہوئے، مجھے یقین ہے کہ میں کسی دن قسطنطنیہ کے آس پاس تمہارا استقبال کروں گا۔ اور اس وقت جب تم افریقہ سے فتح کے پرچم اڑاتے، میرے پاس آؤ گے تو تمہیں یہ شکایت نہ ہوگی کہ میں نے تمہیں کوئی غلط راستہ بتایا تھا۔ میں کسی دن تمہیں کسریٰ کے دائیں ہاتھ بیٹھنے والوں کی صف میں دیکھنا چاہتا ہوں۔ اب تم جا کر آرام کرو۔"

عاصم کچھ کہے بغیر اُٹھا اور خیمے سے باہر نکل آیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ تنہا اپنے خیمے میں لیٹا ہوا تھا اور طرح طرح کے خیالات اُسے پریشان کر رہے تھے۔ "کیا یہ ہو سکتا ہے کہ سین مجھ سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتا ہو؟

شق ایں اسے یہ سمجھا سکتا کہ مجھے کسریٰ کے دائیں ہاتھ بیٹھنے کی تمنا نہیں۔ اگر تم یہاں نہ ہوتے تو مجھے روم اور ایران جنگوں سے کوئی سروکار نہ ہوتا۔ اس ویرانے میں مجھے اپنے لئے کسی راستے یا منزل کی تلاش نہ تھی۔ مجھے صرف تمہاری رفاقت کی ضرورت تھی۔ لیکن یہ سب ایک خود فریبی تھی، میں سین کے اشارے پر جان دے سکتا ہوں، لیکن اُس کا رفیق یا دوست نہیں بن سکتا۔ میں یہ سوچا کرتا تھا کہ جب جنگ ختم ہو جائے گی تو میں سین کے ساتھ دمشق جاؤں گا۔ اور فسطینہ دلفریب مسکراہٹوں کے ساتھ میرا استقبال کرے گی لیکن اب شاید میں اُسے دوبارہ دیکھ بھی نہ سکوں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ میں افریقہ کے محاذ سے زندہ واپس نہ آؤں۔ پھر چند سال بعد شاید اُسے میرا نام بھی یاد نہ رہے۔ جب وہ بڑی ہو جائے گی تو وہ حادثات جو ہمیں ایک دوسرے کے قریب لے آئے تھے اُسے ایک خواب محسوس ہوں گے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ میں کسی دن اُس کے پاس جاؤں اور اُسے یہ کہتے ہوئے ہچکچاہٹ محسوس ہو کہ میں اسے جانتی ہوں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سین اپنی بیٹی کے مستقبل کے متعلق سوچتے ہوئے یہ ضروری سمجھتا ہو کہ ہمارے راستے آج ہی ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں —— جب وہ میرے متعلق پوچھے گی تو وہ یہ کہے گا، بیٹی! اب تمہیں اُس کے متعلق سوچنے کی ضرورت نہیں۔ وہ ہم میں سے نہیں تھا —— اُس نے تمہارے ساتھ ایک نیکی کی تھی اور میں اُس کا بدلہ دے چکا ہوں اب وہ اس قابل ہے کہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہو سکے۔" پھر وہ ایک ڈوبتے ہوئے انسان کی طرح تنکوں کا سہارا لینے کی کوشش کر رہا تھا —— "کیا یہ ممکن نہیں کہ جب میں افریقہ کے محاذ پر سین کی بلند ترین توقعات پوری کرنے کے بعد واپس آؤں تو اُس کے گھر کا دروازہ میرے لئے کھُلا ہو۔ اور جب میں فسطینہ سے یہ کہوں کہ میری جنگیں، میری فتوحات اور کامیابیاں سب تمہارے لئے تھیں تو وہ شرم و ندامت کا اظہار کرنے کی بجائے فخر سے سر اٹھا کر میری طرف دیکھے۔"

دیر تک کروٹیں بدلنے کے بعد عاصم کو نیند آگئی۔

تیسرے روز علی الصباح دس ہزار سوار ایشیائے کوچک کی طرف کوچ کرنے کو تیار کھڑے تھے۔ سین اپنے خیمے سے نکلا اور اُس کے دوست، جو اُسے الوداع کہنے کے لئے باہر جمع تھے، یکے بعد دیگرے اُس سے مصافحہ کرنے لگے۔ جب عاصم کی باری آئی تو اُس نے مصافحہ کرنے کی بجائے دونوں ہاتھ اُس کے کندھوں پر رکھ دیئے اور کہا "میں راستے میں دو دن کے لئے ٹھہروں گا۔ مجھے یقین ہے کہ فسطینہ کا پہلا سوال تمہارے متعلق ہوگا، تم اُسے کوئی پیغام

دینا چاہتے ہو؟"

عاصم کے ہونٹوں پر ایک مغموم مسکراہٹ نمودار ہوئی اور اس نے جواب دیا "میں اُسے یہ پیغام دینا چاہتا ہوں کہ میں کسریٰ کا سپاہی بن چکا ہوں اور اب مجھے کسی کی چیخیں پریشان نہیں کرتیں۔"

سین نے اچانک گفتگو کا موضوع بدلنے کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے کہا "اگر حالات نے اجازت دی تو ممکن ہے کہ میں کچھ عرصہ تک فسطینہ اور اُس کی والدہ کو اپنے پاس بلالوں ورنہ انہیں مدائن بھجوانے کا انتظام کرنا پڑے گا۔ مجھے یقین ہے کہ جنگ سے فارغ ہونے کے بعد تم ہمیں تلاش کر سکو گے۔ میں خود بھی تمہارے حال سے باخبر رہنے کی کوشش کروں گا۔ یہ بھی ممکن ہے مصر کی مہم جلد ختم ہو جائے اور میں تمہیں ایشیائے کوچک کے محاذ پر بلالوں۔"

ایرج اپنے گھوڑے کی باگ پکڑے سین کے قریب کھڑا تھا۔ عاصم کی نگاہیں تھوڑی دیر کے لئے اُس کے مغرور چہرے پر مرکوز ہو کر رہ گئیں۔

سین نے قدرے توقف کے بعد آگے بڑھ کر ایک سپاہی کے ہاتھ سے گھوڑے کی باگ لے لی اور اُس پر سوار ہو گیا۔

تھوڑی دیر بعد پڑاؤ میں نقاروں کی صدائیں بلند ہوئیں اور دس ہزار سواروں کا لشکر چار قطاروں میں کسریٰ کی قیام گاہ کے آگے سے گزرنے لگا۔ شہنشاہ ایران فوج کے سرداروں اور مذہبی پیشواؤں کے ساتھ ایک ٹیلے پر کشادہ سائبان کے نیچے کھڑا تھا۔ اُس کے دائیں ہاتھ سونے کے ایک چوڑے آتش دان میں مقدس آگ کے شعلے بھڑک رہے تھے۔ مجوسیوں کا بڑا کاہن بلند آواز میں دعا مانگ رہا تھا: "اہرمزدہ خسرو پرویز کو جو شہنشاہوں کا شہنشاہ اور دیوتاؤں کا دیوتا ہے فتح دے ——— اہرمزدہ ہمارے دشمنوں کو تباہ کر ——— ہمارے لشکر کے لئے دمشق اور یروشلم کی طرح قسطنطنیہ کے دروازے بھی کھول دے۔"

اور خسرو پرویز کبھی سین کی قیادت میں کوچ کرنے والے سواروں اور کبھی پڑاؤ میں لشکر کے اُن خیموں کی سمت دیکھتا جو چاروں طرف حدِ نگاہ تک پھیلے ہوئے تھے۔ اُس کا مغرور چہرہ زبانِ حال سے یہ کہہ رہا تھا کہ آج زمین کے اوپر اور آسمان کے نیچے میرے سوا کوئی نہیں۔ آج ابنائے آدم کی تقدیر میرے

ہاتھ میں ہے۔

عاصم کسریٰ کی قیام گاہ سے کچھ فاصلے پر ایک اور ٹیلے کے دامن میں کھڑا تھا۔ جب سین کا لشکر گرد و غبار کے بادلوں میں روپوش ہو گیا اور نقاروں کی صدائیں فضا میں گم ہو کر رہ گئیں تو وہ نڈھال سا ہو کر ایک پتھر پر بیٹھ گیا۔ سین کے ساتھ رفاقت کا زمانہ اُسے ایک خواب معلوم ہوتا تھا۔ ایک ایسا خواب جس کی کوئی تعبیر نہ تھی۔ وہ دیر تک بے حس و حرکت بیٹھا رہا۔

حصہ سوم

پیش گوئی

"ا۔ل۔م۔ رومی قریب تر زمین میں مغلوب ہوگئے ہیں۔ اور اپنی اس مغلوبیت کے بعد وہ چند سال کے اندر پھر غالب آجائیں گے۔ اللہ ہی کا اختیار ہے، پہلے بھی اور بعد میں بھی۔ اور اُس دن مسلمان اللہ کی بخشی ہوئی فتح پر خوشیاں منائیں گے۔ اللہ نصرت عطا فرماتا ہے، جسے چاہتا ہے۔ وہ غالب اور رحیم ہے۔ یہ وعدہ اللہ نے کیا ہے اور اللہ کبھی اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔"

(الرّوم)

باب ۲۰

شام میں ایرانیوں کی فتوحات کے ساتھ آگ اور صلیب کا معرکہ ایک فیصلہ کن دور میں داخل ہو چکا تھا۔ بظاہر ایران اپنی تلوار کی نوک سے انسانی تاریخ کا ایک نیا ورق اُلٹ چکا تھا۔ مؤرخوں کی نگاہ میں بازنطینی سلطنت کی تباہی کے ظاہری اسباب مکمل ہو چکے تھے۔ لیکن کارکنانِ قضا و قدر کی نگاہیں روم اور ایران کی رزمگاہوں سے سینکڑوں کوس دُور اُس بے آب و گیاہ وادی کی طرف لگی ہوئی تھیں، جہاں کفر اور اسلام کی جنگ لڑی جا رہی تھی۔

مکہ میں محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثار، جن کے پاس ظاہری اسباب نہ ہونے کے برابر تھے، شرک، جہالت اور گمراہی کی اندھی اور بہری قوتوں کے خلاف سینہ سپر ہو چکے تھے۔ یہ نور و ظلمت کا معرکہ تھا اور اس کے نتائج کے ساتھ اُن بے بس انسانوں کی تقدیر کا فیصلہ ہونے والا تھا جو صدیوں سے توہمات کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے اور جن کے نزدیک زمانے کی ہر کروٹ بے معنی تھی۔

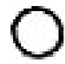
دینِ اسلام اُس ظلمت کدے کا چراغ تھا جہاں انسانیت کا قافلہ تاریکی میں بھٹکنے کا عادی ہو چکا تھا۔ عربوں کے نزدیک اپنے مشرکانہ توہمات اور اپنی جاہلی عصبیتوں کے گھروندوں سے باہر زندگی کی کوئی نئی صورت قابلِ قبول نہ تھی۔ اور خدا کی توحید اور انسانی مساوات کا نعرہ جو پیغمبرِ اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) نے بلند کیا تھا ان کے مشرکانہ عقائد اور ان کی جاہلی عصبیتوں کے خلاف اعلانِ جنگ تھا۔ چنانچہ مشرکینِ مکہ جنہوں نے آج تک کسی اجتماعی نصب العین کے لئے اتحاد کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی، اسلام کے خلاف پورے عرب کے اتحاد کے متمنی تھے۔ وہ حق پرست جو توحید کے چراغ کی روشنی میں آنکھیں کھولنے کے بعد انہیں نئے راستے اور نئی

پہ منزلیں دکھا رہے تھے اُن کے نزدیک بیرونی حملہ آوروں سے زیادہ خطرناک تھے۔ مشرکین مکّہ کو اپنی پرانی روش اتنی عزیز تھی کہ توحید و رسالت پر ایمان لانے والے مٹھی بھر انسانوں کی جماعت میں ایک کمزور عورت یا ایک بے بس غلام کا اضافہ بھی انہیں ناقابلِ برداشت محسوس ہوتا تھا۔ عجم میں قیصر کے جرنیل جس قدر سلطنت روما پر ایرانیوں کی یلغار سے پریشان تھے۔ عرب کے اندر اُس سے کہیں زیادہ قبیلۂ قریش کے اکابر محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں کے عزم و استقلال سے ہراساں تھے۔ فرق صرف یہ تھا کہ روم پر ایران کی فتوحات کسریٰ پرویز کی عسکری قوت اور جنگی وسائل کی برتری کا نتیجہ تھیں اور قریش اپنی تعداد اور قوت کی برتری کے باوجود اپنے مستقبل کے متعلق مطمئن نہ تھے۔ اُن کا مقابلہ ایک ایسے بے سر و سامان لشکر سے تھا جس کے امیر کے وجود میں وہ انسانیت کی تمام عظمتیں دیکھ چکے تھے۔ وہ اُس برگزیدہ نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کو جھٹلانے کی ناکام کوشش کر رہے تھے جس کی کوئی بات جھوٹی ثابت نہ ہوئی تھی۔ اہلِ مکّہ کے لئے یہ بات معمولی نہ تھی کہ اُن کی طاقت اور دبدبہ، اُن کی شر انگیزی اور ایذا رسانی کے باوجود محمد عربی ﷺ کے ایک ادنیٰ غلام کا ایمان بھی متزلزل نہ ہو سکا۔

وہ اسلام کی تعلیمات کو جھٹلانے کے باوجود نبی عربی ﷺ کی غیر معمولی شخصیت کے معترف تھے انہیں اس بات کا ملال تھا کہ عبدالمطلب کا پوتا جس کی ہمہ گیر شخصیت قریش کی سب سے قیمتی پونجی ہو سکتی تھی اُن کے صدیوں پرانے معتقدات کے خلاف اعلانِ جنگ کر چکا ہے۔ مکّہ میں خدا کا پہلا گھر جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مقدس ہاتھوں سے تعمیر ہوا تھا جہالت اور گمراہی کے ادوار میں ایک بتکدے کی صورت اختیار کر چکا تھا تاہم کعبۃ اللہ سے عربوں کی عقیدت کا رشتہ اب بھی قائم تھا وہ ہر سال حج کے دنوں میں مکّہ آتے، کعبے کا طواف کرتے اپنے خاندان یا قبیلے کے بتوں کے سامنے نذریں پیش کرتے انہیں پوجتے اور اُن سے اپنے دشمنوں کے خلاف اعانت کے طلبگار ہوتے۔ اگر ایک بُت اُن کی خواہشوں کو پورا کرنے سے قاصر رہتا تو وہ کسی دوسرے بُت سے عبودیت کے رشتے استوار کر لیتے تھے۔ اُن کی بے راہ روی اور بے حیائی کا یہ عالم تھا کہ وہ ننگے ہو کر بیت اللہ کا طواف کرنا بھی معیوب نہ سمجھتے تھے۔

قریش کعبے کے متولی، نگران اور محافظ تھے اور اس لحاظ سے ایران کے مجوسی کاہنوں کی طرح انہیں بھی عرب کے دوسرے قبائل پر ایک طرح کی مذہبی، سیاسی اور تہذیبی برتری حاصل تھی۔ حج اُن کے لئے آمدنی

کا ایک اہم ذریعہ تھا اور خانۂ کعبہ کے اندر جمع کئے جانے والے بتوں کے تقدس کا رعب قائم رکھنا وہ اپنا فرض خیال کرتے تھے لیکن پیغمبرِ اسلام ﷺ نے خدا کی توحید کا پرچم بلند کر کے قریش کو چونکا دیا تھا۔ چنانچہ بت پرستی کی حمایت اور اسلام کی مخالفت اُن کے نزدیک اپنی مذہبی رسوم کے تحفظ کے علاوہ ایک اہم اقتصادی مسئلہ بھی تھا۔ وہ اُن بتوں کے خلاف کوئی آواز سننے کو تیار نہ تھے جن کی بدولت انہیں ہر سال اپنے ہمسایہ قبائل سے ایک طرح کا خراج وصول ہوتا تھا۔ پھر مکّہ سے باہر بھی عرب قبائل کے چھوٹے اور بڑے حاجت رواؤں کے بُت اور ان کی پوجا کے آداب و رسوم سکھانے والے کاہن موجود تھے اور قریش مکّہ کی طرح ان کاہنوں کو بھی یہ گوارا نہ تھا کہ نئے دین کی روشنی مکّہ کی تاریک فضاؤں میں اجالا کرنے کے بعد اُن کی مسندوں تک پہنچ جائے۔ چنانچہ توحید کا نعرہ صرف قریش مکّہ کی بے راہ روی کے خلاف ہی نہیں بلکہ پورے عرب کی جہالت اور گمراہی کے خلاف ایک اعلان کے مترادف تھا۔ اُن کے کاہن، اُن کے سردار اور اُن کے شاعر اسلام کو ایک اجتماعی خطرہ سمجھ کر متحد اور منظم ہو رہے تھے توحید کا چراغ بجھانے کے لئے جو آندھی چند سال قبل مکّہ سے اٹھی تھی اُس کی بھیانک تاریکیاں بتدریج پورے عرب کو اپنے آغوش میں لے رہی تھیں۔



جب شام کی رزمگاہوں میں رومیوں کی سطوت کے پرچم سرنگوں ہو رہے تھے۔ اہلِ مکّہ کے نزدیک دینِ اسلام کی مخالفت، وقت کا سب سے بڑا مسئلہ تھا۔ اپنی مشرکانہ رسوم کے باعث وہ عیسائیوں کی بہ نسبت ایران کے مجوسیوں سے زیادہ قریب تھے۔ اس لئے روم و ایران کی جنگ میں اُن کی ساری ہمدردیاں ایرانیوں کے ساتھ تھیں۔ اس کے برعکس عیسائیوں کا مذہب اپنی حقیقی صورت میں دینِ اسلام سے زیادہ مشابہت رکھتا تھا اور اس کے باوجود کہ انہوں نے خدا کی توحید کے متعلق دینِ مسیحؑ کے بنیادی تصور کو ایک معمّا بنا دیا تھا۔ وحی، رسالت اور آخرت کے متعلق اُن کے عقائد عرب کے مشرکوں یا ایران کے مجوسیوں کے مقابلے میں اسلام سے زیادہ قریب تھے اس لئے ایرانیوں کے ہاتھوں عیسائیوں کی تباہی و بربادی کی داستانیں سُن کر مسلمانوں کا آزردہ اور پریشان ہونا ایک قدرتی بات تھی۔

جب شام سے کسریٰ کی فتوحات کی خبریں آتیں تو مشرکین مکہ خوشی سے پھولے نہ سماتے تھے وہ مسلمانوں کو مرعوب کرنے کے لئے اِس قسم کی دھمکیاں دیا کرتے تھے کہ جس طرح مجوسیوں نے عیسائیوں پر شام کی زمین تنگ کردی ہے اسی طرح ہم بھی تمہارے لئے عرب میں سانس لینا ناممکن بنا دیں گے۔

ایرانیوں کی فتوحات پر مشرکین مکہ کے خوش ہونے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ عراق عرب اور یمن کے بعض قبیلے کسریٰ کے حلیف بن کر اس جنگ میں شریک ہو چکے تھے اور اُن کے وحشیانہ کارناموں کی داستانیں عربوں کے نسلی غرور اور جاہلی عصبیتوں کے لئے تسکین کا سامان مہیا کرتی تھیں۔ ان حالات میں احکم الحاکمین نے اپنے برگزیدہ رسولؐ پر قرآن کی وہ آیات نازل کیں جن میں رومیوں کی فتح کی بشارت دی گئی تھی۔

اگر یہ پیش گوئی صرف روم و ایران سے تعلق رکھتی تو شاید مشرکین مکہ اِس قدر دلچسپی کا اظہار نہ کرتے لیکن اس میں مسلمانوں کو بھی فتح کا مژدہ سنایا گیا تھا اور یہ بات اُن کے لئے ناقابلِ یقین اور ناقابلِ برداشت تھی ناقابلِ یقین اس لئے کہ وہ اپنی عقل، سمجھ اور اپنے اندازوں کے مطابق دینِ اسلام کے لئے کامیابی کے تمام راستے بند کر چکے تھے۔ اور ناقابلِ برداشت اس لئے کہ مقہور و مجبور مسلمانوں کی مٹھی بھر جماعت اپنی مظلومیت، اپنی مجبوری اور بے سروسامانی کے باوجود اس پیش گوئی کی صداقت پر ایمان لے آئی تھی۔ اِس حقیقت کے باوجود کہ قریش کے بڑھتے ہوئے مظالم سے تنگ آکر اُن کی ایک جماعت حبشہ میں پناہ لینے پر مجبور ہو چکی تھی۔

مسلمانوں کے پاس مشرکین مکہ کے اِس سوال کا کوئی جواب نہ تھا کہ تمہارے پاس کامیابی اور فتح کے وسائل کون سے ہیں۔ تاہم اُن میں ایک بھی ایسا نہ تھا جسے اِس پیش گوئی کی صداقت پر یقین نہ ہو۔ وہ اپنے ہادیٔ برحق کی نگاہوں سے اپنی منزل دیکھ چکے تھے اور انہیں اِس بات کی کوئی پروا نہ تھی کہ اُن کے راستے میں آلام و مصائب کے کتنے پہاڑ کھڑے ہیں۔

مشرکین مکہ اُن کی "سادگی" اور "بے خبری" کا مذاق اڑاتے تھے لیکن انہیں کیا معلوم تھا کہ اِن بلاکشانِ محبت کی نگاہیں ظاہری اسباب کی سرحدوں سے آگے دیکھ رہی ہیں اور جس زمین کے کانٹوں سے اُن کے پاؤں چھلنی ہو رہے ہیں اُس پر رحمت کے پھولوں کی بارش ہونے والی ہے۔ آج جس دین کی فتح کا تصور ایک مذاق معلوم ہوتا ہے، کل اُسی کی حمایت میں وہ جان کی بازی لگانے پر آمادہ ہو جائیں گے۔ جس چراغ کو آج وہ بجھانا چاہتے ہیں

...ں کی روشنی سے عرب و عجم کے ظلمت کدے منور ہونے والے ہیں اور جس نازک پودے کو آج وہ جڑ سے کاٹنا چاہتے ہیں کل اُس کی آبیاری کے لئے اپنا خون پیش کریں گے ـــــ لیکن وہ کل ابھی دور تھی۔ اس وقت مشرکین مکہ ...سلام کی مخالفت سے آگے کوئی بات سوچنے کو تیار نہ تھے۔

ایک دن امیہ بن خلف، عقبہ بن ابو معیط، عتبہ بن ربیعہ، عاص بن وائل، ابوسفیان اور مکہ کے چند اور ...ندہ قریش کے سب سے بڑے سردار ولید بن مغیرہ کی مجلس میں بیٹھے تھے۔ مکہ کے عوام کی طرح ان لوگوں کی ...گو کا موضوع بھی پیغمبرِ اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تعلیم تھی جو اُن کے مشرکانہ عقائد کی نفی کرتی تھی صرف اتنا ...ق تھا کہ بے فکرے عوام ہادیٔ اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اُن پر ایمان لانے والوں کے خلاف اپنے شاعروں ...ور مسخروں کے طنز و استہزا پر بے اختیار قہقہے لگایا کرتے تھے۔ اور یہ لوگ جن کے کندھوں پر قریش کی سیادت ...کا بوجھ تھا نسبتاً سنجیدگی کے ساتھ اپنے حال کے واقعات اور مستقبل کے مسائل پر غور کر رہے تھے۔

جاہلی غرور انہیں دینِ اسلام کے متعلق کھلے بندوں اُس خوف و اضطراب کے اظہار کی اجازت نہ دیتا تھا جو اُن کے دل کی گہرائیوں میں جاگزیں تھا اور وہ اسے کھوکھلے قہقہوں اور اداس مسکراہٹوں میں چھپانے کی کوشش کر رہے تھے لیکن اس ظاہری احتیاط کے باوجود کسی نہ کسی کی زبان پر کوئی ایسی بات آجاتی کہ اُن کے قہقہے حلق میں اٹک کر رہ جاتے۔

ولید بن مغیرہ کہہ رہا تھا "اگر یہ بات درست ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے چند سال کے اندر اندر رومیوں کی فتح کے متعلق پیش گوئی کی ہے تو مجھے یقین ہے کہ اُس کا جادو دیر تک نہیں چلے گا۔ اب تک ہم نے اپنے معبودوں کے خلاف عبدالمطلب کے پوتے کی باتیں برداشت کی ہیں لیکن وہ دن دور نہیں جب اُس پر ایمان لانے والے، مکہ کے چوراہوں میں کھڑے ہو کر اُسے جھٹلائیں گے۔ مجھے یقین ہے کہ ایرانی، اہل روم کو صفحۂ ہستی سے نابود کئے بغیر دم نہیں لیں گے۔ شام کے حالات سے مکہ کا کوئی اور آدمی ابوسفیان سے زیادہ باخبر نہیں۔ تم انطاکیہ، حلب، دمشق اور یروشلم کی تباہی کا حال سن چکے ہو۔ روم کے عیسائی بھیڑوں کا ریوڑ ہیں جنہیں ...یران کے شیروں ... نے سمندر کی طرف ہانک دیا ہے۔ اور تم عنقریب سن لو گے کہ انہوں نے شام کی طرح مصر میں ...رومیوں کے اقتدار کا جنازہ نکال دیا ہے۔ ہمارے قریب وہ ملک جہاں رومیوں کو مغلوب ہونے کے بعد غالب

آنے کی بشارت دی گئی ہے شام کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا لیکن یہ پیش گوئی کرتے وقت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو شاید اس حقیقت کا علم نہ تھا کہ کسریٰ کا لشکر شام پر مکمل فتح حاصل کر چکا ہے اور رومی صدیوں تک دوبارہ اس طرف دیکھنے کی جرأت نہ کریں گے ـــــ لیکن کاش! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے یہ پیش گوئی کی ہو۔ مجھے ڈر ہے کہ جب چند سال بعد رومی مکمل طور پر تباہ ہو جائیں گے اور وہ یہ دیکھے گا کہ اب اُن کے دوبارہ اٹھنے کی کوئی اُمید باقی نہیں رہی تو وہ اس پیش گوئی سے صاف انکار کر دے گا۔"

ابوجہل نے کہا "چچا! میں بذاتِ خود اس بات کی تصدیق کر چکا ہوں۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے واقعی یہ پیش گوئی کی ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ مجھے کسی مسلمان کی شکل دیکھنا بھی پسند نہیں لیکن میں کم و بیش دس مسلمانوں سے اس کی تصدیق کر چکا ہوں ـــ مجھے اس بات پر تعجب نہیں کہ عبدالمطلب کے پوتے نے ایک ان ہونی بات کہی ہے لیکن یہ بات قابلِ غور ہے کہ مجھے ایک مسلمان بھی ایسا نہیں ملا جسے اس پیش گوئی کی صداقت میں ذرہ بھر شبہ ہو۔ وہ سب یہی کہتے ہیں کہ اللہ نے اُن کے نبی کو قرآن کی آیات میں یہ بشارت دی ہے اور قرآن کی کوئی آیت غلط نہیں ہو سکتی۔ اُبی بن خلف نے ابوبکرؓ کے سامنے اس آیت کا مذاق اڑایا تھا اور اُسے شرط بدنے کی دعوت دی تھی چنانچہ ابوبکرؓ نے یہ شرط مان لی ہے کہ اگر تین سال کے اندر اندر یہ پیش گوئی پوری نہ ہوئی تو وہ اُسے دس اونٹ دے گا ورنہ اُبی بن خلف کو دس اونٹ دینے پڑیں گے۔"

عتبہ بن ربیعہ نے کہا "مجھے یقین ہے کہ دنیا کی کوئی طاقت اب ایران کی فتح کو شکست میں تبدیل نہیں کر سکتی لیکن میں حیران ہوں کہ مسلمان ایرانیوں کی شکست کی پیش گوئی سے کیوں مسرور ہیں۔ انہیں اس سے کیا تعلق ہے کہ شام میں کون ہارتا ہے اور کون جیتتا ہے۔"

ابوجہل نے جواب دیا "اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں۔ مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان کئی باتیں مشترک ہیں۔ اور جب سے ہم نے انہیں یہ طعنے دینے شروع کئے ہیں کہ جس طرح شام کے عیسائی ایرانیوں کے ہاتھوں تباہی کا سامنا کر رہے ہیں اسی طرح ہم بھی تمہیں صفحۂ ہستی سے مٹا دیں گے اس وقت سے انہیں ہماری طرح ایرانیوں سے بھی دشمنی ہو گئی ہے۔ مکہ میں جب ایرانیوں کی کسی نئی فتح کی خبر آتی تھی تو مسلمانوں کا ردِ عمل دیکھ کر مجھے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ وہ اسے اپنی شکست محسوس کرتے ہیں۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اُن

...ہ وصلے قائم رکھنے کے لئے یہ پیش گوئی کی ہے ـــ لیکن آپ سب اس بات پر حیران ہوں گے کہ اس پیش گوئی کے بعد ...ن صرف رومیوں کے دوبارہ غالب آنے پر ہی نہیں بلکہ اپنی فتح کے متعلق بھی پُر اُمید ہو گئے ہیں۔ قرآن کی جو آیات میں نے ...ی ہیں اُن میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ رومیوں کے فتح کے دن مسلمان بھی اپنی فتح پر خوشیاں منائیں گے۔ اب آپ یہ سوچ سکتے ہیں ...د (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پیرو جس دشمن پر فتح حاصل کرنے کے متمنی ہیں وہ کون ہے۔ ہمیں اس سے کوئی سروکار نہیں ...روم و ایران کی جنگ کا انجام کیا ہوتا ہے۔ لیکن ہمیں اپنے مستقبل کے اُن خطرات کو نظرانداز نہیں کرنا چاہیئے ...مسلمانوں کے بڑھتے ہوئے حوصلوں کے باعث پیش آ سکتے ہیں۔"

حاضرین اضطراب کی حالت میں ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے اور محفل پر تھوڑی دیر کے لئے خاموشی ...ری ہو گئی۔ بالآخر ولید بن مغیرہ نے کہا "میرا دانشمند، دور اندیش اور بہادر بھتیجا مسلمانوں کے مسئلے کو ضرورت سے ...ہ وہ اہمیت دینے کا عادی ہو چکا ہے۔ اس نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ہر بات سننا اور اُسے جھٹلانا اپنا فرض ...جھ لیا ہے۔ دوسروں کے لئے اس کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ مسلمانوں نے دور رہیں اور ان کے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) ...کوئی بات نہ سنیں۔ لیکن اس کی اپنی یہ حالت ہے کہ علی الصباح بستر سے اٹھتے ہی اسے سب سے پہلے اس بات ...کی فکر ہوتی ہے کہ آج رات اُس پر کون سی آیت نازل ہوئی ہے ـــ مجھے ہمیشہ اس بات کا ڈر رہتا ہے کہ کہیں ...س پر بھی اُس کا جادو اثر نہ کر جائے۔"

ولید بن مغیرہ ہنس رہا تھا اور حاضرین شرارت آمیز مسکراہٹوں کے ساتھ اُس کے بھتیجے کی طرف دیکھ رہے تھے۔ ابوجہل پاسِ ادب سے کچھ دیر خاموش بیٹھا رہا لیکن جب حاضرین کی مسکراہٹیں دبے دبے قہقہوں میں تبدیل ہونے لگیں تو وہ اچانک کھڑا ہو گیا۔ عرب کا سارا غرور اس دراز قامت انسان کی نگاہوں میں آ گیا تھا۔ اُس نے بلند آواز میں کہا "چچا! آپ میری باتیں مذاق نہ سمجھیں۔ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اُس کے ماننے والوں سے خوفزدہ نہیں ہوں ـــــ آپ کی طرح میری رگوں میں بھی ولید کا خون ہے۔ عبدالمطلب کے پوتے کا جادو بنو ہاشم کے ...کمزور افراد پر چل سکتا ہے، مجھے متاثر نہیں کر سکتا۔ اگر قریش کے تمام خاندان، بلکہ پورے عرب کے قبائل بھی مسلمان ہو جائیں تو بھی میں تنہا اُس کا مقابلہ کرنے کی جرأت رکھتا ہوں۔ مجھے اس بات پر فخر ہے کہ میں اسلام دشمنی میں سب سے آگے ہوں۔ مجھے اس بات پر فخر ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اُس پر ایمان لانے والوں کو سب سے

زیادہ اذیتیں میں نے پہنچائی ہیں۔ مجھے اس بات پر بھی فخر ہے کہ اس نئے دین کے باعث عرب میں قریش کے مستقبل کو جو خطرات پیش آسکتے ہیں اُن کی طرف سب سے پہلے میں نے توجہ دی ہے۔ آپ مجھے بے حمیتی یا بے غیرت ہونے کا طعنہ نہیں دے سکتے۔

لیکن آج سردارانِ قریش میری بات غور سے سُن لیں۔ عرب میں ہماری اہمیت، ہمارا اقتدار اور ہماری عزت صرف اس لئے ہے کہ ہم کعبے کے متولی ہیں۔ ہم کعبے کے اُن تین سو ساٹھ بتوں کے محافظ اور نگہبان ہیں جن کے لئے دور دراز کے قبائل نذریں اور چڑھاوے لے کر آتے ہیں۔ یہ وہ معبود ہیں جن کی بدولت اس بے آب و گیاہ وادی کے باشندوں کو ایسی دولت اور عزت نصیب ہوئی ہے جو عرب کے کسی قبیلے کے حصے میں نہیں آئی۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارے ان معبودوں کا دشمن ہے ——— اُس نے یہ کہا ہے کہ تم خدا کو چھوڑ کر جن کو پوجتے ہو وہ سب دوزخ کا ایندھن بنیں گے۔ اب قریش کے کسی فرد کو اس خوش فہمی میں مبتلا نہیں رہنا چاہیئے کہ اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا بس چلا تو وہ ہمارے معبودوں پر ہاتھ ڈالنے سے دریغ کرے گا۔ اور تمہیں اس بارے میں بھی کوئی خوش فہمی نہیں ہونی چاہیئے کہ جب اس نئے دین کے ہاتھوں ہمارے معبود شکست کھا جائیں گے۔ جب کعبہ ہمارے بتوں سے خالی ہو جائے گا تو عرب کے اندر قریش کی کوئی اہمیت باقی رہ جائے گی۔ آج مکہ عرب کا مذہبی، تجارتی اور سیاسی مرکز ہے لیکن جس دن محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ارادے پورے ہو جائیں گے۔ یہ فاقہ کش چرواہوں کی ایک گمنام بستی ہوگی۔ پھر دور دراز کے لوگ یہاں حج کے لئے نہیں آیا کریں گے۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا دین ہمارے سینے پر ایک خنجر ہے اور ہمیں اُس وقت کا انتظار نہیں کرنا چاہیئے کہ یہ خنجر ہمارے دل میں اتر جائے ——— اُس نے صرف ہمارے اسلاف کے مذہب کے خلاف ہی بغاوت کا جھنڈا بلند نہیں کیا بلکہ عرب کی اُن تمام روایات کے خلاف آواز بلند کی ہے جو ہمیں اپنی جان سے زیادہ عزیز ہیں۔ اُس کے نزدیک قریش اور دوسرے عربوں کے بتے میں کوئی فرق نہیں۔ وہ غلام اور آقا کو ایک ہی صف میں دیکھنا چاہتا ہے۔ یہاں تک کہ اُس کے نزدیک حبشی غلام بھی ہماری ہمسری کا دعویٰ کر سکتے ہیں۔ اُس کے نزدیک انسان کی برتری اور عظمت کا راز اُس کے حسب و نسب میں نہیں بلکہ اعمال میں ہے۔ اُس کی نگاہ میں قریش کے عالی نسب سرداروں کے مقابلے میں ہمارے وہ حقیر لونڈی، غلام افضل ہیں جو اُس کی صداقت پر ایمان لے آئے ہیں۔"

امیہ بن خلف نے ولید بن مغیرہ سے مخاطب ہو کر کہا "جناب! میں آپ کے بھتیجے کو قریش کی ننگی تلوار سمجھتا ہوں لیکن مجھے معلوم نہ تھا کہ یہ مٹھی بھر مسلمانوں سے اس قدر خائف ہے۔ کیا اسے مطمئن کرنے کے لئے یہ بات کافی نہیں کہ اُن میں سے کئی مکہ چھوڑ کر حبشہ کی طرف بھاگ رہے ہیں؟ کیا یہ ہمیں اتنا کمزور سمجھتا ہے کہ باقی چند آدمی جو یہاں سے بھاگنے کی بھی سکت نہیں ہمیں نگل جائیں گے۔ یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ یہاں مسلمانوں کا کوئی جاسوس موجود نہیں ورنہ ایسی باتیں سُن کر وہ شیر ہو جاتا۔" ابوجہل نے غصے سے اپنے ہونٹ کاٹتے ہوئے جواب دیا "اُمیہ! جب کسی میدان میں ان لوگوں کا سامنا کرنے کا وقت آئے گا تو تم مجھے بزدل کا طعنہ نہیں دے سکو گے ——— لیکن اگر دور اندیشی تمہارے نزدیک بزدلی کے مترادف ہے تو میں تمہارے منہ پر ہاتھ نہیں رکھ سکتا ——— میری بات سنو! ہمارا مقابلہ صرف گوشت خون اور ہڈیوں سے بنے ہوئے انسانوں کے ساتھ نہیں اگر یہ بات ہوتی تو تمہارا غلام بلال (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) جسے دہشت زدہ کرنے کے لئے تمہاری پیشانی کی ایک ہلکی سی شکن کافی ہونی چاہیئے تھی اس جرأت کا مظاہرہ نہ کرتا۔ تم اُسے اسلام سے منحرف کرنے کے لئے سارے جتن کر چکے ہو۔ تم اُسے جلتے ہوئے پتھروں اور تپتی ہوئی ریت پر لٹا کر دیکھ چکے ہو۔ تم نے کوڑے مار مار کر اُس کا چمڑا ادھیڑنے سے بھی دریغ نہیں کیا۔ جب تمہارے ہاتھ تھک جاتے تھے تو تم اُسے مارنے پیٹنے اور گھسیٹنے کے لئے مکہ کے لڑکوں کے حوالے کر دیتے تھے۔ جسم کی وہ کون سی اذیت ہے جو تم نے اُسے نہیں دی۔"

اُمیہ بن خلف نے کہا "یہ میرا فرض ہے اور جب تک وہ ہار نہیں مانتا میں اُس کے ساتھ یہ سلوک جاری رکھوں گا۔ تمہیں میرے غلام کی حمایت میں زبان کھولنے کا کوئی حق نہیں۔"

ابوجہل نے جواب دیا "تمہیں یہ کیسے خیال آیا کہ میں ایک مسلمان کی حمایت کر سکتا ہوں اور وہ بھی ایک غلام کی؟"

"تو پھر تم کیا کہنا چاہتے ہو؟"

ابوجہل نے جواب دیا "میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ مکہ کے اندر کوئی ایسا انقلاب آچکا ہے جو میری اور تمہاری نہیں، بلکہ ہم سب کی سمجھ سے بالاتر ہے۔ اگر بنو ہاشم کا کوئی معزز آدمی اپنی خاندانی حمیت سے مجبور ہو کر عبدالمطلب کے پوتے کی حمایت پر اُتر آئے تو یہ بات میری سمجھ میں آسکتی ہے۔ لیکن اگر وہ ضعیف عورتیں،

۔۔کمزور اور بے بس غلام جنہیں کبھی ہماری طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے کا حوصلہ نہیں ہوا تھا ہمارے سامنے تن کر کھڑے ہوجائیں تو یہ بات میری سمجھ میں نہیں آسکتی۔ میں نے عمارؓ کی ماں کو اپنے ہاتھوں سے قتل کیا تھا لیکن جب میری برچھی اُس کے سینے کے پار ہوگئی تھی تو بھی وہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا کلمہ پڑھ رہی تھی۔ میں اُس کی نگاہوں میں موت کا خوف دیکھنا چاہتا تھا لیکن مجھے ناکامی ہوئی۔ میں نے زنیرہؓ کو مار مار کر اندھا کر دیا ہے لیکن مجھے یقین ہے کہ اگر میں اُس کی کھال ادھیڑ ڈالوں تو بھی وہ اسلام سے تائب نہیں ہوگی ـــــ تم خباب (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو دہکتے ہوئے انگاروں پر لٹا کر دیکھ چکے ہو اور دوسرے مسلمانوں کو جسمانی اذیتیں پہنچانے میں بھی تم نے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ لیکن ان سب باتوں کے باوجود ہم کسی انتہائی کمزور اور بے بس مسلمان کو بھی اپنے اسلاف کے دین پر واپس نہیں لا سکے۔

اہلِ عرب نے آج تک کسی ایسے بے بس آدمی کی آقائی قبول نہیں کی تھی جس کے ہاتھ فتوحات اور کامرانیوں کے ظاہری اسباب سے خالی ہوں اور ہم یہ سمجھتے تھے کہ جب عرب کی گلیوں میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا مذاق اڑایا جائے گا، جب اُس کے راستے میں کانٹے بچھائے جائیں گے اور جب اُس کے لئے کعبے کے اندر داخل ہونا ناممکن بنا دیا جائے گا تو اُس کے پیرو مایوس اور بد دل ہو کر اُس کا ساتھ چھوڑ دیں گے۔ اور شاید اپنی بے بسی اور اپنے ساتھیوں کے آلام و مصائب کا احساس ہی اُسے اس حقیقت کا اعتراف کرنے پر مجبور کر دے گا کہ مکہ کی سنگلاخ زمین میں ایک نئے دین کا پودا برگ و بار نہیں لا سکتا۔ لیکن ہماری تمام تدبیروں کا اثر اُلٹا ہوا ہے ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو مرعوب نہیں کر سکے۔ ہم مسلمانوں کو یہ احساس دلانے سے قاصر رہے ہیں کہ تمہارا نبیؐ اُن وسائل سے محروم ہے جو ایک راہنما کی فتح و کامرانی کی ضمانت ہو سکتے ہیں۔

میرے دوستو اور بزرگو! ہم اپنے خاندانوں اور قبیلوں کی عزت کے لئے سینہ سپر ہوا کرتے تھے ہم اپنے گھروں، اپنے مال و دولت، اپنے چشموں اور اپنی چراگاہوں کے تحفظ کے لئے جان کی بازی لگایا کرتے تھے۔ ہم اپنے حریفوں کو مغلوب کرنے اور انہیں لوٹنے کے لئے جنگ کرتے تھے۔ ہم یہ ثابت کرنے کے لئے اپنا خون بہایا کرتے تھے کہ اس زمین پر ہم سے زیادہ کسی اور کو مغرور و متکبر ہونے کا حق نہیں ـــــ دنیا میں کسی کو ہمارے افعال، ہماری قبائلی رسوم اور ہمارے مذہبی عقائد پر نکتہ چینی کا حق نہ تھا۔ ہم صحرا کی آندھیوں کی طرح آزاد تھے

ر عبدالمطلب کا پوتا اور عبداللہ کا بیٹا ہمیں زندگی کے نئے آداب سکھانا چاہتا ہے۔ وہ ہماری قبائلی زندگی م آزادیاں، تمام مسرتیں اور تمام راحتیں سلب کرنا چاہتا ہے۔ وہ ہمیں مساوات کا درس دیتا ہے تاکہ ہمارا ذاتی غرور خاک میں مل جائے اور ہم دوسرے قبائل پر برتری کا دعویٰ نہ کر سکیں۔ وہ ہمیں صلح اور امن کی دعوت دیتا ہے تاکہ ہماری تلوار زنگ آلود اور ہمارا خون سرد ہو جائے اور جب ہمارے حریف ہمیں مغلوب کرنا چاہیں تو ہمارے اندر مقابلے کی سکت نہ ہو۔ وہ صبر اور قناعت کی تعلیم دیتا ہے تاکہ ہم بھی اُس کی طرح تہی دست ہو جائیں۔ وہ ہمارے بتوں کو جھٹلا کر توحید کا درس دیتا ہے تاکہ ہم اُس کے ایک خدا پر ایمان لے آئیں اور اُسے اس خدا کے نبیؐ کی حیثیت سے اپنا آقا مان لیں۔ اب تک ہم نے ان باتوں کو مذاق سے زیادہ وقعت نہیں دی لیکن اب وقت آگیا ہے کہ ہم پوری سنجیدگی کے ساتھ اِس صورتِ حال سے نبٹنے کی کوشش کریں۔ ہمیں اس حقیقت کا اعتراف کر لینا چاہیئے کہ مسلمانوں کی حوصلہ شکنی کے لئے اب تک ہم نے جو اقدامات کئے ہیں وہ ناکافی تھے۔"

عتبہ بن ربیعہ نے کہا۔ "تم یہ تسلیم کر چکے ہو کہ تمہاری سختیاں مسلمانوں کو مرعوب یا بد دل نہیں کر سکیں۔ تم اُن کی کھال اتار سکتے ہو لیکن اُن کی روح کی گہرائیوں سے محمدؐ کی اطاعت اور محبت کے جذبات خارج نہیں کر سکتے۔ تم یہ بھی جانتے ہو کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس اتنی دولت نہیں کہ وہ کسی کو لالچ دے سکے۔ اُس کے پاس کوئی ایسی طاقت بھی نہیں جس کے خوف یا احترام نے مفلوک الحال اور بے بس لوگوں کو اُس کی اطاعت پر مجبور کر دیا ہو۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) انہیں زندگی کی وہ آسائشیں عطا نہیں کر سکتا جو تمہیں کعبے کے بتوں سے، اطاعت کے بدلے حاصل ہوتی ہیں، پھر کیا وجہ ہے کہ محمدؐ کے پیرو اپنے دین کے معاملے میں تمہاری نسبت کہیں زیادہ مخلص ہیں۔ انہوں نے تمہاری ہیبت اور قوت کے باوجود تمہارے کئی آدمیوں کو اپنی جماعت میں شامل کر لیا ہے اور تم اُن کی کمزوری اور بے سرو سامانی کے باوجود اُن میں سے ایک کو بھی واپس نہیں لا سکے ہو۔"

عقبہ بن ابو معیط نے جواب دیا۔ "آپ کے سوال کا جواب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک جادوگر ہے اور ہم اُس کے جادو کا کوئی توڑ پیش نہیں کر سکے۔"

ابوجہل نے کہا۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے جادو کا یہی توڑ ہے کہ ہم اُسے قتل کر دیں مجھے یقین ہے کہ اُس کی موت سے مسلمانوں کی ساری اُمیدیں ختم ہو جائیں گی اور ہمیں یہ زمانہ ایک خواب محسوس ہوگا۔" عتبہ بن ربیعہ اُٹھ کر کھڑا ہو گیا اور اُس نے ولید بن مغیرہ سے مخاطب ہو کر کہا۔ "ولید! مجھے معلوم نہیں کہ محمد سچا نبی ہے یا جادوگر ہے لیکن میں اتنا ضرور جانتا ہوں کہ وہ عبدالمطلب کا پوتا ہے اور اُس کا باپ عبداللہ ہم سب سے زیادہ شریف النفس تھا ــــ اُسے قتل کرنا آسان نہیں۔ اگر تمہارا بھتیجا بنو ہاشم کو بے حیثیت سمجھتا ہے تو وہ غلطی پر ہے۔ اگر تم نے مجھے مشورے کے لئے بلایا ہے تو میرا مشورہ یہ ہے کہ ہمیں یہ معاملہ اپنے ہاتھ میں لینے کی بجائے ابوطالب کے سامنے پیش کرنا چاہیئے، وہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا چچا ہے اور بنو ہاشم پر اُس کا بہت اثر ہے۔ اگر ہم نے اُسے اپنا ہم خیال بنا لیا تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے نبٹنا زیادہ مشکل نہ ہوگا۔ اگر قریش کے رؤسا ابوطالب کے پاس کوئی وفد بھیجنے پر آمادہ ہوں تو میں اُس کا ساتھ دینے کو تیار ہوں لیکن جہاں تک میرا بس چلے گا میں اپنے خاندان کے کسی فرد کو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے خون سے ہاتھ رنگنے کی اجازت نہیں دوں گا۔"

ولید نے جواب دیا۔ "مجھے آپ کی تجویز سے پورا اتفاق ہے اور میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ سرداران قریش کی تائید کے بغیر ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے خلاف کوئی اقدام نہیں کریں گے۔"

ابی بن خلف ہانپتا ہوا کمرے کے اندر داخل ہوا اور اُس نے کسی تمہید کے بغیر بلند آواز میں کہا۔ بھائیو! آپ کو مبارک ہو میں ابوبکر (رض) سے دس کی بجائے سو اونٹ کی شرط بد آیا ہوں۔ ابوبکرؓ خود میرے پاس آیا تھا۔ اور میرا خیال تھا کہ وہ اپنے وعدے سے منحرف ہونے کے لئے کوئی بہانہ پیش کرے گا۔ لیکن اُس نے آتے ہی کہا کہ میں نے رسول اللہ یعنی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے پوچھے بغیر تم سے شرط بدی تھی ــــ لیکن جب میں آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپؐ نے فرمایا کہ چند سال سے مراد دس سال کا عرصہ ہے یعنی پیش گوئی کے مطابق رومی دس سال کے اندر اندر ایرانیوں پر دوبارہ غالب آجائیں گے۔ اس لئے تم شرط کی مدت تین سے بڑھا کر دس سال اور اونٹوں کی تعداد دس کی بجائے سو کر دو ــــ میں نے شرط میں یہ ترمیم منظور کر لی ہے۔ اب میں تین کی بجائے دس سال کے بعد ابوبکرؓ سے شرط جیتنے کی خوشی میں آپ کے لئے ایک شاندار دعوت کا انتظام کروں گا۔"

ابوجہل نے کہا۔ "ابوبکرؓ کو اس بات کا یقین ہے کہ دس سال تک عرب میں کسی مسلمان کا وجود

باقی رہے گا؟"

ابی بن خلف نے جواب دیا۔ "بھائی! ابوبکرؓ تو یہ کہتا تھا کہ اسی پیش گوئی کے مطابق جہاں دس سال کے اندر اندر رومی ایرانیوں پر فتح حاصل کریں گے وہاں مسلمانوں کو بھی ایک شاندار فتح حاصل ہوگی۔"

ولید بن مغیرہ نے پوچھا۔ "شرط بدتے وقت تم نے کسی کو گواہ بنایا تھا؟"

ابی بن خلف نے جواب دیا۔ "مجھے گواہ تلاش کرنے کی ضرورت نہ تھی، ابوبکرؓ بذات خود جگہ جگہ یہ اعلان کر رہا ہے کہ میں نے یہ شرط بدی ہے۔"

ابوسفیان نے کہا۔ "میری رائے میں ہمیں زیادہ جوش و خروش سے اس خبر کی تشہیر کرنی چاہیئے۔ تاکہ ابوبکرؓ کے لئے منحرف ہونے کا کوئی راستہ باقی نہ رہے۔"

ولید بن مغیرہ نے کہا۔ "میرے خیال میں یہ کام مشکل نہیں ہمیں صرف حج اور عکاظ کے میلے میں چند بار اعلان کرنے کی ضرورت ہے اس کے بعد یہ خبر پورے عرب میں مشہور ہو جائے گی۔"

ابوجہل نے بگڑ کر کہا۔ "سرداران قریش تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ کیا ہم دس سال انگاروں پر لوٹ کر روم و ایران کی جنگ کے نتائج کا انتظار کریں گے؟ اور اس عرصہ میں عبدالمطلب کے پوتے کو ہمارے بھائیوں، دوستوں اور عزیزوں کو بہکانے اور گمراہ کرنے کی اجازت ہوگی؟ کیا ہم اپنے معبودوں کی تضحیک برداشت کرتے رہیں گے۔ کیا ہم ایک ایسے دشمن کی سرگرمیوں کی طرف سے آنکھیں بند کر لیں گے جو اپنی فتح پر یقین رکھتا ہو۔ تم دیکھ رہے ہو کہ مسلمانوں کی تعداد میں آئے دن اضافہ ہو رہا ہے۔ تم دیکھ رہے ہو کہ اس دین کے باعث ہماری لونڈیاں اور غلام بغاوت پر آمادہ ہو گئے ہیں؟ کیا تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو چند سال اور اس بات کی اجازت دو گے کہ وہ اخوت و مساوات کا درس دے کر پورے عرب میں غلاموں، مفلسوں اور ناداروں کو ہمارے دوش بدوش کھڑا کر رہا ہے۔"

ایک رئیس نے کہا۔ "ہبل کی قسم! مجھے اس بات پر حیرت ہوتی ہے کہ ہم چند مسلمانوں کو اس قدر اہمیت دے رہے ہیں۔ اُن کا حبشہ کی طرف فرار ہونا ہی اس بات کا ثبوت ہے کہ اُن کی ہمت جواب دے چکی ہے۔ میں جانتا ہوں کہ انہیں ڈرانے اور دھمکانے کے لئے اب تک ہم نے جو اقدامات کئے ہیں وہ کافی نہیں۔ لیکن ہاشم کے بیٹے کو یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ ہمارا ترکش خالی ہو چکا ہے۔ ابھی تو ہم نے ابتدا بھی نہیں کی۔ اور مجھے

یقین ہے کہ جب ہم اِس مسئلے پر سنجیدہ ہو جائیں گے تو ان لوگوں کو روم و ایران کے مسائل کے متعلق سوچنے کی فرصت نہیں ملے گی۔ لیکن میں آپ سے ایک درخواست کروں گا اور وہ یہ ہے کہ مسلمانوں کا مسئلہ صرف غلاموں اور ادنیٰ حیثیت کے لوگوں کا مسئلہ ہی نہیں۔ اب چند بااثر لوگ بھی اُن میں شامل ہو گئے ہیں جنہیں اُن کے خاندانوں میں عزت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے، ہمیں ان کے خلاف کوئی سخت قدم اٹھانے سے پہلے انہیں سمجھا بجھا کر واپس لانے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ اگر وہ نہ مانیں تو پھر ہمیں اُن کے رشتہ داروں سے یہ اطمینان حاصل کر لینا چاہیئے کہ یا تو وہ ان کے خلاف ہمارا ساتھ دیں گے۔ ورنہ غیر جانبدار رہیں گے ـــــ مجھے یقین ہے کہ اپنے خاندانوں کی اعانت سے مایوس ہونے کے بعد اُن کے حوصلے زیادہ دیر قائم نہیں رہیں گے۔ پھر اگر تصادم کی صورت پیش آئی تو ہم انہیں ہر وقت کچل سکتے ہیں۔"

حاضرین مجلس نے اس تجویز سے اتفاق کیا اور یہ مجلس برخاست ہوئی۔

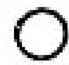
باب ۲۱

یروشلم کی فتح کے چند ماہ بعد غزہ کے سوا شام کے تمام علاقے ایرانیوں کے قبضے میں آ چکے تھے۔ رومی لشکر کے بیش تر دستے جو مختلف محاذوں سے شکست کھا کر بھاگے تھے، غزہ کی محافظ فوج میں شامل ہو چکے تھے اور روم کا جنگی بیڑا سمندر کے راستے انہیں رسد و کمک پہنچا رہا تھا۔ قیصر کی فوج غیر متوقع عزم و استقلال کا مظاہرہ کر رہی تھی اور اس اہم قلعے پر قبضہ کرنے کے لئے ایرانیوں کی متعدد کوششیں ناکام ہو چکی تھیں۔ لیکن جب پرویز نے اپنے لشکر کے ایک حصے کو صحرائے سینا کے راستے وادیٔ نیل کی طرف بڑھنے کا حکم دیا تو روم کے جنگی بیڑے کو غزہ کی بجائے اسکندریہ کی طرف اپنی توجہ مبذول کرنی پڑی۔ اسکندریہ مصر کا دروازہ تھا اور اپنی فوجی، سیاسی اور مذہبی اہمیت کے لحاظ سے، انطاکیہ اور قسطنطنیہ کے سوا رومی سلطنت کا کوئی اور شہر اس کا ہم پلہ نہ تھا۔ شام اور فلسطین سے بھاگنے والے ہزاروں متمول اور بااثر لوگ وہاں پہنچ چکے تھے اور غزہ کی محافظ فوج کے بڑے بڑے عہدہ داروں نے بھی اپنے بال بچوں کو وہاں بھیج دیا تھا۔ بحری بیڑے کی اعانت سے محروم ہونے کے بعد اہلِ غزہ کے حوصلے ٹوٹ گئے اور ایرانیوں نے چند پے در پے حملوں کے بعد شام کے اس آخری حصار پر بھی قبضہ کر لیا۔

اس کے بعد ایرانی فوجیں وادیٔ نیل کی اُن قدیم گزرگاہوں کو پامال کر رہی تھیں جن پر چل کر منف اور جیزہ کے اہرام میں ابدی نیند سونے والے فراعنہ کے لشکر بارہا شام و فلسطین کی بستیوں کو آگ اور خون کے جہنم زاروں میں جھونک چکے تھے۔

عاصم مقدمۃ الجیش کے عرب دستوں کے سالار کی حیثیت سے غیر معمولی شہرت حاصل کر چکا تھا۔ ان بدخصلت انسانوں سے، جو صرف لوٹ مار اور قتل و غارت کے شوق میں ایرانیوں کے ساتھ شامل ہوگئے تھے کسی ضبط و نظم کی پابندی کروانا آسان نہ تھا۔ لیکن عاصم میں ایک فوجی راہنما کی تمام صلاحیتیں بدرجہ اتم موجود تھیں۔ اپنی جرأت اور بہادری کے باعث وہ کئی میدانوں میں داد و تحسین حاصل کر چکا تھا اور عرب موت کو کھیل سمجھنے والے راہنما کا حکم ماننا جانتے تھے۔ غزہ کی فتح کے بعد عابس کے علاوہ کئی اور رؤسا اس اطمینان کے ساتھ اپنے گھروں کو واپس جا چکے تھے کہ اُن کے سپاہیوں کی قیادت اور دیکھ بھال کے لئے ایک فرض شناس راہنما اور ایک قابلِ اعتماد دوست موجود ہے۔

سمیرا سے جدا ہونے کے بعد عاصم کی تمام دلچسپیاں اپنے آپ کو ایک کامیاب سپاہی ثابت کرنے تک محدود ہو کر رہ گئی تھیں۔ اُس کے نزدیک اب صرف تلوار ہی ایک ایسی چیز تھی جس کی بدولت چاروں طرف سے دھتکارے ہوئے انسان کو کوئی عزت کی جگہ مل سکتی تھی۔ اور اب یہ سوال اُسے بہت کم پریشان کرتا تھا کہ روم و ایران کی یہ جنگ کن مقاصد کے تحت لڑی جا رہی ہے۔ آگ اور صلیب کے پرستاروں میں سے کون حق پر ہے اور کون ناحق پر — ایک عرب کو زندہ رہنے کے لئے اپنے گھر اور اپنے قبیلے کی ضرورت تھی اور قدرت نے اُسے اس نعمت سے محروم کر دیا تھا۔ اب اُس کا قبیلہ وہ سپاہی تھے جو اُس کی کمان میں لڑ رہے تھے انہی کے تعاون سے وہ کسریٰ کے جرنیلوں کے دوش بدوش کھڑا ہو سکتا تھا اور انہی کی کامیابیاں اُس کے لئے اس نئے ماحول میں کوئی عزت کا مقام حاصل کر سکتی تھیں۔ چنانچہ اپنے سپاہیوں کے لئے اُس کے دل میں وہی جذبات تھے جو ایک سردار کے دل میں اپنے قبیلے کے لئے ہو سکتے ہیں۔ کبھی کبھی وحشت و بربریت کے دل خراش مناظر دیکھ کر اُس کا ضمیر چیخ اٹھتا لیکن زندگی سے وابستہ رہنے کی خواہش اُن لطیف دھڑکنوں پر غالب آ جاتی جو اُس کے نزدیک کبھی دنیا کی ہر نعمت سے زیادہ اہم تھیں۔



ایک شام کسریٰ کی فوج کے ہراول دستے بابلیون کے دروازوں پر دستک دے رہے تھے اور

چند دن بعد یہ قدیم شہر، جس کے ایک ایک پتھر پر مصر کی عظمت رفتہ کی داستانیں نقش تھیں، فتح ہو چکا تھا۔ اور اس کی گلیوں اور بازاروں میں فاتح لشکر کے سپاہیوں کے نعرے اور مفتوحہ قوم کے بیٹوں اور بیٹیوں کی چیخیں سنائی دے رہی تھیں۔ بند مکانوں کے دروازے توڑے جا رہے تھے۔ اور وہ لوگ جنہیں غلامی کے قابل سمجھا جاتا تھا بھیڑ بکریوں کی طرح ہانک کر شہر سے باہر قیدیوں کے کیمپ میں جمع کئے جا رہے تھے۔

ایک دن ایرانی فوج کے اعلیٰ عہدہ دار بابلیون کے شاہی محل کے ایک کشادہ کمرے میں جمع ہو کر آئندہ پیش قدمی کے متعلق سپہ سالار کے احکام کا انتظار کر رہے تھے۔ سپہ سالار، جس کی بلند ٹوپی بیش قیمت جواہرات سے مزین تھی، کمرے میں داخل ہوا اور اُس نے کسی تمہید کے بغیر کہا: "شہنشاہ نے اسکندریہ کی طرف بلاتاخیر پیش قدمی کا حکم دیا ہے۔ تم کل تک یہاں آرام کر سکتے ہو۔ پرسوں علی الصباح ہم اسکندریہ کی طرف روانہ ہو جائیں گے۔ رومی اسکندریہ کو اپنا آخری حصار سمجھتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ ہماری آمد سے پہلے ہی وہ بابلیون خالی کر کے وہاں پہنچ گئے ہیں۔ رومیوں کی جو فوجیں شام میں شکست کھا کر وہاں سے بھاگی تھیں وہ بھی اسکندریہ پہنچ چکی ہیں اور ہم انہیں مزید تیاریوں کا موقع دینا نہیں چاہتے۔ ویسے بھی ہمیں بابلیون میں ٹھہرنے کی ضرورت نہیں۔ یہاں ہمارا کام ختم ہو چکا ہے۔ مصریوں نے صرف چند رومیوں کو اپنے گھروں میں چھپا رکھا ہے اور مجھے یقین ہے کہ ہم کل تک اُن سب کو گرفتار کر لیں گے۔ اس کے بعد اہل شہر کو مغلوب رکھنے کے لئے ہمارے چند دستے کافی ہوں گے۔ آئندہ آٹھ پہر تک بابلیون تمہارے رحم و کرم پر ہے لیکن دوپہر تک قباد کے دستوں کے سوا باقی تمام فوج کو پڑاؤ میں جمع ہو جانا چاہئیے۔"

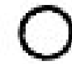
قباد ایک عمر رسیدہ جرنیل تھا اُس نے پریشان ہو کر کہا: "جناب آپ کا مطلب ہے کہ میں اسکندریہ نہیں جاؤں گا؟"

"نہیں! شہنشاہ نے تمہیں بابلیون کی حکومت سنبھالنے کا حکم دیا ہے۔" یہ کہہ کر سپہ سالار ایک اور جرنیل کی طرف متوجہ ہوا۔ "مہران! تمہیں ایک بڑی مہم سونپی گئی ہے۔ تم یہاں سے طیبہ کی طرف پیش قدمی کرو گے۔ شہنشاہ والا تبار کا حکم ہے کہ جنوب میں مصر کی آخری حدود تک ایران کے جھنڈے گاڑ دیئے جائیں۔ دریائے نیل تمہاری راہنمائی کرے گا اور مجھے یقین ہے کہ تم حبشہ کی سرحدیں عبور کئے بغیر واپس نہیں آؤ گے۔"

مہران نے کہا "جناب! مجھے فخر ہے کہ میرے آقا نے مجھے اِس خدمت کا اہل سمجھا ہے۔"

سپہ سالار نے کہا۔ "مجھے یقین ہے کہ مصر کے لوگ راستے میں کسی جگہ مزاحمت نہیں کریں گے تاہم تمہیں ایسے سپاہیوں کی ضرورت ہے جو اس انتہائی گرم علاقے میں ایک طویل سفر کی کلفتیں برداشت کر سکتے ہوں۔ اس لئے عرب قبائل کے رضاکار تمہارے ساتھ جائیں گے۔ چند ماہ قبل مجھے اُمید نہ تھی کہ یہ لوگ جو صرف لوٹ مار کے لئے ہمارے ساتھ آئے ہیں کسی کٹھن اور صبر آزما مہم میں بھی کام آ سکتے ہیں۔ لیکن ہمیں عاصم کا شکر گزار ہونا چاہیئے کہ اِس نے ضبط و نظم کے معاملے میں اِن لوگوں کو ایرانی سپاہیوں کے لئے بھی ایک نمونہ بنا دیا ہے۔ اگر تم بھی سین کی طرح اِس نوجوان کی ناز برداری کر سکے تو مجھے یقین ہے کہ وہ اس مہم میں تمہارے لئے بہترین ساتھی ہوگا۔ میں عاصم کو بھی اس مہم کی اہمیت کا احساس دلانے کی کوشش کروں گا۔"

سپہ سالار نے باقی جرنیلوں کو بھی یکے بعد دیگرے ضروری ہدایات دیں اور مجلس برخاست ہوگئی۔



غروب آفتاب سے ایک ساعت قبل عاصم بابلیون کی ایک کشادہ گلی سے گزر رہا تھا۔ سپاہیوں کی چھوٹی چھوٹی ٹولیاں باقی شہر کی طرح یہاں بھی لوٹ مار کر رہی تھیں۔ اچانک ایک عرب نے پیچھے سے آواز دی اور عاصم مُڑ کر اُس کی طرف دیکھنے لگا۔ عرب تیزی سے قدم اٹھاتا ہوا اُس کے قریب پہنچا اور اُس نے کہا "میں دیر سے آپ کو تلاش کر رہا ہوں۔ پڑاؤ سے معلوم ہوا کہ آپ قیدیوں کے کیمپ دیکھنے گئے ہیں۔ وہاں سے پتا چلا آپ شہر کی طرف آ گئے ہیں۔ ہمارے چند اور آدمی گھوڑوں پر سوار ہو کر آپ کو تلاش کر رہے ہیں۔ میرا خیال تھا کہ آپ کسی مکان کا دروازہ بند کئے سو رہے ہوں گے۔"

عاصم نے کہا۔ "کیا بات ہے تم اس قدر پریشان کیوں ہو؟"

عرب نے کہا۔ "سپہ سالار کا آدمی یہ حکم لے کر آیا تھا کہ وہ آپ سے ملنا چاہتے ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ کوئی اہم مسئلہ درپیش ہے۔"

عاصم کچھ کہے بغیر اُس کے ساتھ ہو لیا۔ کچھ فاصلے پر چند آدمی ایک مکان کے بند دروازے کے

…انے شور مچا رہے تھے۔

عرب نے کہا "جناب یہ یہودی ہیں اور خاصی دیر سے دروازہ توڑنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ میں نے تھوڑی دیر پہلے، یہاں سے گزرتے ہوئے، اُن سے کہا تھا کہ تم دروازے پر زور آزمائی کرنے کی بجائے دیوار پھاند کر اندر کیوں نہیں چلے جاتے تو انہوں نے کہا کہ یہ مکان رومیوں سے بھرا ہوا ہے۔"

عاصم نے کہا۔ "مجھے یقین ہے کہ یہ لوگ دروازہ توڑنے کے بعد بھی مکان کے اندر پاؤں رکھنے سے پہلے اس بات کا اطمینان ضرور چاہیں گے کہ وہاں نہتے مصریوں کے سوا اور کوئی نہیں۔"

اچانک ساتھ والے مکان سے ایک قوی ہیکل ایرانی کندھے پر شہتیر اٹھائے نکلا اور یہودی خوشی کے نعرے لگانے لگے۔ چند نوجوان ایرانی کے ساتھ شامل ہو گئے اور شہتیر کو سہارا دے کر، بھاگتے ہوئے دروازے کی طرف بڑھے۔ مضبوط دروازہ شہتیر کی پہلی ہی ضرب سے ٹوٹ گیا اور یہ لوگ ایرانی کے پیچھے، خوشی کے نعرے لگاتے ہوئے، اندر داخل ہوئے۔ لیکن زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ چیختے چلاتے الٹے پاؤں باہر کی طرف بھاگنے لگے سب سے آخر میں ایرانی اپنی تلوار پر ایک دراز قامت رومی نوجوان کے وار روکتا ہوا باہر نکلا۔

عاصم اور اُس کا ساتھی یہ دلچسپ تماشا دیکھنے کے لئے رک گئے۔ خوش وضع رومی نوجوان کا ایک بازو گلے سے بندھا ہوا تھا اور سر پر خون آلود پٹیاں بھی اُس کے زخمی ہونے کی گواہی دے رہی تھیں۔ تاہم اُس کے تیور یہ بتا رہے تھے کہ وہ موت سے پہلے ہار نہیں مانے گا۔

عاصم کے ساتھی نے کہا۔ "جناب! میں نے بہت کم رومیوں کو اس طرح لڑتے دیکھا ہے۔ یہ ایرانی اُس کا مقابلہ نہیں کر سکے گا۔ اگر اجازت ہو تو میں آگے بڑھوں۔"

عاصم نے جواب دیا۔ "نہیں، نہیں تم یہیں کھڑے رہو۔"

قوی ہیکل ایرانی بُری طرح ہانپ رہا تھا۔ چند قدم پیچھے ہٹنے کے بعد وہ چلانے لگا۔ "بزدلو! کیا دیکھتے ہو؟ یہ اکیلا ہے۔ تم بھیڑوں کی طرح کیوں بھاگ رہے ہو؟"

چند یہودی نوجوانوں نے آگے بڑھ کر رومی کو گھیرے میں لینے کی کوشش کی لیکن اُس نے اچانک دائیں طرف حملہ کر کے دو آدمیوں کو زخمی کر دیا اور پھر بائیں طرف ٹوٹ پڑا۔ اب یہودی کئی گز دور ہٹ کر چیخنے

کی بجائے صرف شور مچانے پر اکتفا کر رہے تھے —— ایرانی انہیں گالیاں دیتا ہوا دوبارہ اپنے حریف کے سامنے آگیا لیکن انتہائی جوش و خروش کی حالت میں چند وار کرنے کے بعد وہ دوبارہ پیچھے ہٹنے لگا۔

عاصم نے اپنے ساتھی سے کہا "اب یہ بیوقوف مارا جائے گا۔ اگر یہ سب یہودی قتل ہو جاتے تو میرے لئے پریشانی کی کوئی بات نہ ہوتی لیکن یہ ایرانی ہے اور میری موجودگی میں اس کا ایک رومی کے ہاتھوں مارا جانا مناسب نہیں۔"

عاصم کے ساتھی نے کہا "جناب! مجھے اجازت دیجئے۔"

"نہیں! تم اُس کا مقابلہ نہیں کر سکو گے۔" عاصم نے یہ کہہ کر تلوار نکال لی۔

اتنی دیر میں رومی نے پے درپے چند وار کئے اور ایرانی اپنے بازو پر زخم کھانے کے بعد اُلٹے پاؤں بھاگتا ہوا پیٹھ کے بل گر پڑا۔ رومی نے اُس پر فیصلہ کُن ضرب لگانے کے لئے تلوار بلند کی لیکن عاصم بجلی کی سی تیزی سے کود کر اُس کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ رُومی کے چہرے پر ایک مغموم مسکراہٹ نمودار ہوئی اور وہ عاصم پر چند وار کرنے کے بعد اُس کی برتری کا اعتراف کرتے ہوئے پیچھے ہٹنے لگا۔

عاصم نے کہا "تم بہادر معلوم ہوتے ہو لیکن زخمی ہو اگر ہتھیار پھینک دو تو ممکن ہے کہ میں تمہاری جان بچا سکوں۔"

رومی نے جواب دیا "میں جانتا ہوں۔ تم مجھے قتل کرنے سے پہلے خالی ہاتھ دیکھنا چاہتے ہو، لیکن تمہاری یہ خواہش پوری نہیں ہو گی۔"

"میری یہ خواہش نہ تھی کہ جنگ کے بعد کوئی میرے ہاتھوں مارا جائے لیکن تم بہت بدقسمت ہو۔"

عاصم نے یہ کہہ کر پے درپے چند وار کئے اور رومی، جس کی قوتِ مدافعت ہر لحظہ جواب دے رہی تھی اُلٹے پاؤں پیچھے ہٹتا ہوا دروازے میں پہنچ گیا۔ اچانک اُسے دہلیز کی ٹھوکر لگی اور وہ لوٹتے ہوئے کواڑ پر گر پڑا۔

عاصم نے اُس کے سینے پر اپنی تلوار کی نوک رکھتے ہوئے کہا "تم جیسے نوجوان کو موت سے اتنی محبت نہیں ہونی چاہیئے۔"

اچانک صحن سے نسوانی چیخیں بلند ہوئیں "مجھے چھوڑ دیجئے، ابا جان! مجھے چھوڑ دیجئے۔ میں اُس کے

ساتھ مرنا چاہتی ہوں۔ ابا جان! خدا کے لئے۔"

عاصم نے نگاہ اٹھائی سامنے ایک نوجوان لڑکی ایک عمر رسیدہ شخص کی گرفت سے آزاد ہونے کی جدوجہد کر رہی تھی۔ ایک ثانیہ کے لئے عاصم کی نگاہیں عمر رسیدہ آدمی پر مرکوز ہو کر رہ گئیں اور اسے ایسا محسوس ہونے لگا کہ وہ ایک خواب دیکھ رہا ہے۔ یہ فرمس تھا۔ نوجوان لڑکی، جس کے ہاتھ میں چمکتا ہوا خنجر تھا، اچانک اُس کی گرفت سے آزاد ہو کر آگے بڑھی اور اُس نے عاصم پر حملہ کر دیا۔ لیکن عاصم نے بائیں ہاتھ سے اُس کی کلائی پکڑ لی اور وہ اُس کی آہنی گرفت میں بے بس ہو کر رہ گئی۔ رومی نے اٹھنے کی کوشش کی لیکن عاصم نے دوبارہ اپنی تلوار کی نوک اُس کے سینے پر رکھ دی اور فرمس کی طرف دیکھ کر چلایا "فرمس! میں عاصم ہوں، وہ غریب الوطن، جسے تم نے اپنی سرائے میں پناہ دی تھی۔ اب باتوں کا وقت نہیں، اگر تم اس نوجوان کی جان بچانا چاہتے ہو تو اسے سمجھاؤ کہ یہ بے حس و حرکت یہیں پڑا رہے ورنہ ان لوگوں کے اندر آ جانے کے بعد میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکوں گا۔"

عاصم کا ساتھی بھاگتا ہوا اندر داخل ہوا اور اُس نے پوچھا "آپ ٹھیک ہیں نا؟"

"میں ٹھیک ہوں۔ تم دروازے کے باہر کھڑے رہو اور کسی کو مکان کے قریب نہ آنے دو —— یہ لوگ ہماری پناہ میں ہیں۔" عاصم یہ کہہ کر باہر نکلا تو گلی میں ایک اور تماشا ہو رہا تھا —— ایک عمر رسیدہ آدمی جو اپنے لباس سے یہودیوں کا مذہبی پیشوا معلوم ہوتا تھا، گلا پھاڑ پھاڑ کر چلا رہا تھا "اندر مت جاؤ! یہ مکان رومیوں سے بھرا ہوا ہے۔ بھاگو! فوج کو اطلاع دو! جلدی کرو، ورنہ وہ بیوقوف جو اکیلا اندر چلا گیا ہے مارا جائے گا خدا کے لئے جلدی کرو۔ تم کیا دیکھ رہے ہو۔"

قوی ہیکل ایرانی دانت پیستا ہوا اُٹھا اور آگے بڑھ کر عمر رسیدہ یہودی کو چند تھپڑ رسید کر دیئے پھر اُس کی ڈاڑھی پکڑ کر جھنجھوڑتے ہوئے کہا "بزدل آدمی! تم شور مچانے کی بجائے انہیں آگے بڑھنے کا مشورہ کیوں نہیں دیتے ہو؟"

عاصم نے آگے بڑھ کر کہا "یہ لوگ ایرانیوں کا خون اپنے خون سے زیادہ قیمتی نہیں سمجھتے۔ تمہیں ان پر اعتماد نہیں کرنا چاہیئے تھا۔ یہ محض اتفاق تھا کہ میں یہاں آ نکلا ورنہ اُس رومی کی تلوار تمہاری شہ رگ تک پہنچ چکی تھی۔ اُس نے زبردستی ایک بے بس مصری کے گھر پر قبضہ کر رکھا تھا۔ بہرحال وہ اپنے کئے کی سزا پا

چکا ہے۔ اب ہمیں تمہارے زخم کی فکر کرنی چاہیئے۔ عاصم نے آگے بڑھ کر ایک یہودی کی کمر سے ریشمی پٹکا کھولا اور اُسے پھاڑ کر ایرانی کے بازو پر پٹی باندھ دی۔

ایرانی نے کہا "میں آپ کا شکر گزار ہوں اور آئندہ میں کبھی یہودیوں کا اعتبار نہیں کروں گا۔ یہ لوگ صرف مُردوں کی لاشیں مسخ کر سکتے ہیں۔"

عاصم نے کہا "میں بہت تھکا ہوا ہوں اور میرا خیال ہے کہ پڑاؤ میں جانے کی بجائے اسی مکان میں آرام کرلوں۔ کیا یہ ہوسکتا ہے کہ آپ ان لوگوں کو کسی اور گھر کا راستہ دکھا دیں۔"

"جناب! آپ اندر جا کر اطمینان سے آرام کریں۔ میں ان سے نبٹ لوں گا" یہ کہہ کر ایرانی یہودیوں کی طرف متوجہ ہوا "تم سب یہاں سے بھاگ جاؤ۔ ورنہ میں اپنے سپاہیوں کو بلاتا ہوں وہ تمہارے سر کاٹ کر دریائے نیل میں پھینک دیں گے۔"

یہودی ایک ایک کرکے وہاں سے کھسکنے لگے لیکن چند نوجوان تذبذب کی حالت میں اِدھر اُدھر دیکھ رہے تھے۔

ایرانی بلند آواز میں چلایا "اہرمزدہ کی قسم! میں تمہاری گردنیں اڑا دوں گا۔ کیا دیکھ رہے ہو؟ بھاگ جاؤ!" آن کی آن میں گلی خالی ہوگئی۔

عاصم نے کہا "اب تمہیں چاہیئے کہ سیدھے پڑاؤ میں جا کر اپنا زخم کسی طبیب کو دکھاؤ۔ مجھے ڈر ہے کہ رومی کی تلوار زہر آلود نہ ہو۔ تمہیں دیر نہیں کرنی چاہیئے۔"

زہر کا لفظ سن کر ایرانی کسی توقف کے بغیر وہاں سے بھاگ کھڑا ہوا۔ اور عاصم اپنے ساتھی کو دروازے پر موجود رہنے کی تاکید کرکے مکان کے اندر داخل ہوا۔

رومی جسے فرمس نے نئی صورت حال سے باخبر کر دیا تھا ابھی تک فرش پر پڑا تھا اور نوجوان لڑکی اُس کے قریب کھڑی اپنے آنسو پونچھ رہی تھی۔

عاصم نے فرمس سے کہا "وہ سب جا چکے ہیں، لیکن اب آپ کے لئے کسی کمرے کے اندر چھپ کر بیٹھنا زیادہ مناسب ہوگا۔ ممکن ہے سپاہیوں کی کوئی اور ٹولی یہاں پہنچ جائے۔"

رومی نے آنکھیں کھول کر اِدھر اُدھر دیکھا اور اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ تھوڑی دیر بعد یہ چاروں مکان کے ایک کمرے میں کھڑے تھے۔ فرمس کی آنکھیں تشکر کے آنسوؤں سے لبریز تھیں، نوجوان لڑکی سسکیاں لے رہی تھی اور رومی پریشانی کی حالت میں عاصم کی طرف دیکھ رہا تھا۔

عاصم نے فرمس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا "شاید آپ نے ابھی تک مجھے نہیں پہچانا؟"

فرمس کی آنکھوں سے آنسو چھلک پڑے اور اُس نے جواب دیا "میں یہ سوچ رہا تھا کہ اب کوئی معجزہ ہی ہمیں غلامی کی ذلت یا موت سے نہیں بچا سکتا۔ مجھے یقین نہیں آتا کہ تم وہی ہو۔ یہ کون کہہ سکتا تھا کہ ہماری آئندہ ملاقات ان حالات میں ہوگی۔ میں سچ کہتا ہوں کہ تمہارے ہاتھوں قتل ہوتے وقت بھی میرے دل میں یہ خیال نہیں آسکتا تھا کہ ہم ایک دوسرے کو جانتے ہیں۔ یہ میری بیٹی انطونیہ ہے اور یہ نوجوان میرا داماد ہے اس کا نام کلاڈیوس ہے۔"

"آپ کی بیوی؟" عاصم نے سوال کیا۔

"وہ مر چکی ہے۔"

"کب؟"

"چھ مہینے ہوئے۔ میں تم سے کئی سوال کرنا چاہتا ہوں۔ سب سے پہلا سوال یہ ہے کہ ہم کب تک زندہ ہیں اور تم کس حد تک ہماری مدد کر سکتے ہو؟"

عاصم نے جواب دیا "سردست آپ کو کوئی خطرہ نہیں لیکن احتیاط ضروری ہے۔ میں تھوڑی دیر کے لئے سپہ سالار کے پاس جا رہا ہوں۔ میری غیر حاضری میں میرا ساتھی اس مکان پر پہرا دے گا اگر مجھے کسی وجہ سے دیر ہوگئی تو چند اور عرب سپاہی اس مکان کی حفاظت کے لئے پہنچ جائیں گے۔ اگر آپ اپنے داماد کا لباس تبدیل کرا سکیں تو بہتر ہوگا۔ اس کے علاوہ گھر کا کچھ سامان اٹھا کر صحن میں پھینک دیجئے۔ اس سے ظاہر ہوگا کہ یہ مکان لٹ چکا ہے۔"

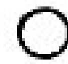
عاصم وہاں سے چل پڑا لیکن دو تین قدم اٹھانے کے بعد کچھ سوچ کر رکا اور انطونیہ سے مخاطب ہو کر بولا "میں تمہارے شوہر کی جان بچانے کی ہر ممکن کوشش کروں گا۔"

فرمس نے کہا۔ "آپ جلد واپس آنے کی کوشش کریں۔ آپ کو دیکھنے کے بعد مجھے یقین ہو گیا ہے کہ قدرت کو ہماری تباہی منظور نہیں۔"

"آپ مطمئن رہیں، میں بہت جلد آجاؤں گا۔" عاصم یہ کہہ کر کمرے سے باہر نکل آیا۔ دروازے کے سامنے اُس کا ساتھی پریشانی کی حالت میں ٹہل رہا تھا۔

اُس نے کہا "جناب! آپ نے بہت دیر لگائی اور میں اِس بات پر حیران ہوں کہ آپ ایک رومی کو پناہ دینے کی کوشش کر رہے ہیں۔"

عاصم نے جواب دیا۔ "یہ رومی اُس شخص کا داماد ہے جس نے مجھے انتہائی بے کسی کی حالت میں سہارا دیا تھا۔ اس کے علاوہ وہ شہنشاہ کے اُس جرنیل کا بھی محسن ہے جسے قسطنطنیہ پر ایران کی فتح کا پرچم گاڑنے کی مہم سونپی گئی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ہم اِس گھر کی حفاظت کر کے شہنشاہ کی خوشنودی حاصل کریں۔ میری غیر حاضری میں تم یہاں پہرا دو گے۔ تمہیں دروازے کی بجائے صحن کے اندر کھڑے رہنا چاہیئے۔ مجھے یقین ہے کہ اول تو رات کے وقت مکان کا ٹوٹا ہوا دروازہ دیکھ کر بھی کوئی لوٹ مار کی نیت سے اندر داخل ہونے کی کوشش نہیں کرے گا اور اگر ان لوگوں کو کوئی خطرہ پیش آیا بھی تو حملہ کرنے والوں کو دھمکانے کے لئے تمہارا یہ کہہ دینا کافی ہوگا کہ اندر تمہارے چند معزز ساتھی آرام کر رہے ہیں۔ اگر مجھے راستے میں کوئی اور قابلِ اعتماد ساتھی مل گئے تو انہیں اِس گلی میں پہرا دینے کے لئے بھیج دوں گا۔"



قریباً ایک پہر رات گزر چکی تھی۔ فرمس، انطونیہ اور کلاڈیوس مکان کے تاریک کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے۔

کلاڈیوس نے سہمی ہوئی آواز میں سوال کیا۔ "آپ کو یقین ہے وہ ہماری مدد کرے گا؟"

فرمس نے جواب دیا۔ "کلاڈیوس تم اطمینان رکھو، مجھے یقین ہے کہ وہ اپنی جان خطرے میں ڈال کر بھی ہمیں بچانے کی کوشش کرے گا۔"

"لیکن آپ کہتے ہیں کہ وہ یثرب کا باشندہ ہے اور آپ کو غریب الوطنی کی حالت میں ملا تھا۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ اچانک ایرانی فوج میں اس قدر اثر و رسوخ کا مالک بن گیا ہو کہیں ہم اپنے آپ کو دھوکا تو نہیں دے رہے ؟"

فرمس نے جواب دیا۔ "موجودہ حالات میں خود فریبی کو بھی میں قدرت کا انعام سمجھتا ہوں۔ لیکن میرا دل گواہی دیتا ہے کہ قدرت نے اسے ہماری مدد کے لیے بھیجا ہے۔"

انطونیہ نے کہا۔ "بہت دیر ہو گئی وہ ابھی تک نہیں آیا۔"

کمرے میں کچھ دیر خاموشی طاری رہی پھر اچانک صحن میں چند آدمیوں کی چاپ اور آوازیں سنائی دیں۔

کلاڈیوس نے کہا۔ "معلوم ہوتا ہے قدرت ہمیں زیادہ دیر خود فریبی میں مبتلا رکھنا نہیں چاہتی۔ لیکن میں آپ سے یہ وعدہ کر چکا ہوں کہ اپنی زندگی میں انطونیہ کی بے بسی کا تماشا نہیں دیکھوں گا۔"

کلاڈیوس اپنی تلوار سنبھال کر کھڑا ہو گیا۔ لیکن فرمس نے اس کا دامن پکڑتے ہوئے کہا۔ "بیٹا! حوصلے سے کام لو! مجھے یقین ہے کہ اب قدرت ہمارے ساتھ مذاق نہیں کرے گی۔"

باہر سے عاصم کی آواز سنائی دی۔ "میں عاصم ہوں۔ اب آپ کو کوئی خطرہ نہیں۔ دروازہ کھول دیجئے!"

فرمس نے دروازہ کھول دیا۔ عاصم کے ہاتھ میں مشعل تھی۔ ایک آدمی ٹوکرا اٹھائے اس کے ساتھ تھا۔ اور سات مسلح سپاہی چند قدم پیچھے کھڑے تھے۔ فرمس پریشانی، خوف اور اضطراب کی حالت میں باہر نکلا اور عاصم نے مشعل اسے دیتے ہوئے کہا۔ "اب آپ کو تاریکی میں بیٹھنے کی ضرورت نہیں۔ میرے آدمی آج رات یہیں رہیں گے۔ انھیں صحن میں آرام کرنے کے لیے صرف ایک کشادہ چٹائی کی ضرورت ہے۔"

فرمس نے کہا۔ "میں اپنا بہترین قالین دے سکتا ہوں۔ آیئے!" وہ کمرے میں داخل ہوئے فرمس نے مشعل سے چراغ روشن کیا اور پھر دوسرے کمرے میں جا کر ایک بھاری قالین نکال لایا۔

عاصم نے اپنے ساتھی سے کہا: "تم یہ قالین لے جاؤ اور اپنے ساتھیوں کو بیرونی دروازے کے

سامنے بٹھادو میں ابھی آتا ہوں۔" نوکر نے ٹوکرا نیچے رکھ کر قالین اٹھا لیا اور عاصم نے فرمس کی طرف متوجہ ہو کر کہا: "اس ٹوکرے میں آپ کے کھانے کا سامان ہے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ تینوں بھوکے ہیں۔ پہلے اطمینان سے کھا لیجیے۔ اس کے بعد ہم جی بھر کر باتیں کر سکیں گے۔" لیکن یہ تینوں کھانے کی طرف متوجہ ہونے کی بجائے انتہائی بے چارگی کی حالت میں عاصم کی طرف دیکھ رہے تھے۔

عاصم نے قدرے توقف کے بعد کہا: "شاید آپ کو میری بات کا یقین نہیں آیا۔ دیکھیے! میں سپہ سالار سے وعدہ لے چکا ہوں کہ یہ گھر محفوظ رہے گا اور جس آدمی کو بابلیون کا حاکم بنایا گیا ہے، اس سے بھی میں آپ کی حفاظت کا وعدہ لے آیا ہوں۔ آپ کو شاید یہ معلوم نہیں کہ آپ ایرانی فوج کے ایک جرنیل اور شہنشاہ کے بہت گہرے دوست کے محسن ہیں۔ آپ نے جس معزز خاتون کو دمشق پہنچانے کی خدمت میرے سپرد کی تھی وہ اس جرنیل کی بیوی تھی۔ وہ کسی اور محاذ پر جا چکا ہے۔ اگر آج وہ یہاں ہوتا تو شاید ایرانی فوج کے بڑے بڑے سردار آپ کو سلام کرنے آتے۔"

فرمس کے چہرے سے اچانک مایوسی کے بادل چھٹ گئے اور وہ پُرامید ہو کر عاصم کی طرف دیکھنے لگا۔ لیکن چند ثانیے بعد اس کے چہرے پر دوبارہ اضطراب کے آثار ظاہر ہونے لگے ــــ اس نے گھٹی ہوئی آواز میں کہا: "کیا آپ کلاڈیوس کے متعلق بھی مجھے اطمینان دلا سکتے ہیں؟"

عاصم نے جواب دیا: "کلاڈیوس ایک رومی ہے اور میرے لیے اس کے حق میں کچھ کہنا آسان بات نہ تھی ــــ تاہم ایک شرط پر میں نے اس کی جان بخشی کا وعدہ لے لیا ہے۔"

"وہ شرط کیا ہے؟" کلاڈیوس نے چونک کر پوچھا۔

"وہ شرط یہ ہے کہ تم میرے ساتھ رہو گے۔ میں نے پہلی بار اپنی خدمات کا صلہ مانگا ہے اور وہ یہ کہ مجھے ایک قابلِ اعتماد رومی کو غلام بنانے کی اجازت دی جائے۔"

کلاڈیوس نے سراپا احتجاج بن کر کہا: "تم نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ میں تمہاری غلامی کو موت سے بہتر سمجھوں گا۔"

"مجھے صرف اس بات کا یقین تھا کہ تم اگر اپنے لیے نہیں تو کم از کم فرمس اور اس کی بیٹی کے لیے زندہ

رہنا پسند کرو گے۔ میرے لیے تمہاری جان بچانے کی واحد صورت یہی تھی اور میں یقین دلاتا ہوں کہ تمہیں اپنا دوست اور بھائی سمجھوں گا۔ شہنشاہ کی فوجیں پرسوں اسکندریہ کی طرف روانہ ہو جائیں گی اور مجھے اسی دن جنوب کی طرف پیش قدمی کا حکم ملا ہے۔ اگر بابلیون تمہارے لیے محفوظ ہوتا تو میں صرف یہ وعدہ لے کر تمہیں یہاں چھوڑ جاتا کہ تم میری غیر حاضری میں بھاگنے کی کوشش نہیں کرو گے۔ اب تمہاری جان بچانے کی یہی ایک صورت ہے کہ میں تمہیں اپنے ساتھ لے جاؤں اور جب تک حالات میں کوئی تبدیلی نہیں آتی تمہاری حفاظت کرتا رہوں ــــ ممکن ہے کسی دن ایسے حالات پیدا ہو جائیں کہ تم اپنی بیوی کے ساتھ اپنے وطن جا سکو اور میں ایرانی فوج میں اپنی شہرت کو داغدار کیے بغیر تمہاری مدد کر سکوں۔"

کلاڈیوس نے کہا: "اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ میں کسی مہم میں آپ کے ساتھ تعاون کروں گا تو آپ غلطی پر ہیں۔ میں ایک رومی ہوں اور کسی قیمت پر اپنی قوم کے ساتھ غداری نہیں کروں گا۔"

عاصم نے جھنجلا کر کہا: "مجھے کسی مہم میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے تمہارے تعاون کی ضرورت نہیں۔ ایران اور روم کی جنگ اب آخری مرحلے میں داخل ہو چکی ہے۔ مصر میں اسکندریہ کے سوا تمہاری فوجیں کسی اور مقام پر معمولی مزاحمت بھی نہیں کر سکیں گی۔ میں صرف تمہاری جان بچانا چاہتا ہوں۔ اس لیے نہیں کہ تم ایران کے لیے مفید ثابت ہو سکتے ہو بلکہ صرف اس لیے کہ تم میرے ایک محسن کے داماد ہو اور مجھے اپنے دوست کی آنکھوں میں سبک ہونا پسند نہیں۔ تمہیں مجھ سے صرف یہ وعدہ کرنا ہوگا کہ تمہاری کسی حرکت سے مجھے اپنے ساتھیوں کے سامنے نادم نہیں ہونا پڑے گا۔ اگر مجھے یہ یقین ہو جائے کہ تم سب کسی خطرے کا سامنا کیے بغیر مصر کی حدود سے نکل سکتے ہو تو میں اسی وقت تمہارے لیے گھوڑے مہیا کر سکتا ہوں۔ مجھے اس بات کی پروا نہ ہوگی کہ بعد میں میرے ساتھ کیا سلوک ہوتا ہے لیکن حالت یہ ہے کہ تمہارے لیے کہیں دور تک پہنچنے کے تمام راستے بند ہو چکے ہیں۔ مصر میں اسکندریہ تمہارا آخری حصار ہے لیکن ہماری اطلاعات یہ ہیں کہ رومیوں نے یہ شہر بھی خالی کرنا شروع کر دیا ہے۔ ان حالات میں تمہیں جوش کی بجائے صبر اور حوصلے سے کام لینے کی ضرورت ہے۔"

کلاڈیوس اب جواب دینے کی بجائے کبھی فرمس اور کبھی انطونیہ کی طرف دیکھ رہا تھا۔

فرمس نے کہا۔ "کلاڈیوس! خدا نے ہماری اعانت کے لیے ایک فرشتہ بھیجا ہے ہمیں یہ ثابت نہیں کرنا چاہیئے کہ ہم ناشکر گزار ہیں"۔

کلاڈیوس نے عاصم سے مخاطب ہو کر کہا۔ "اگر آپ ان کی عزت بچانے کا وعدہ کرتے ہیں تو مجھے آپ کی غلامی منظور ہے"۔

عاصم نے کلاڈیوس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "تم مجھے اپنا دوست پاؤ گے۔ افسوس صرف یہ بات کا ہے کہ میں موجودہ حالت میں تمہاری جان بچانے کا اس سے بہتر طریقہ نہیں سوچ سکتا۔ میں اس بات کی کوشش کر چکا ہوں کہ تمہارے گلے میں آہنی طوق نہ ڈالا جائے لیکن سپہ سالار نے میری یہ درخواست قبول نہیں کی۔ تاہم میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ جو بوجھ تم اپنی گردن پر محسوس کرو گے وہ مجھے اپنے دل پر محسوس ہوگا۔ تمہارے اطمینان کے لیے میں اس سے زیادہ اور کیا کہہ سکتا ہوں کہ فرمس کی بیٹی میری بہن ہے"۔

کلاڈیوس نے جواب دیا۔ "ایک غلام کو اپنے طوق کا بوجھ اٹھانے پر کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ اور انطونیہ کی عزت بچانے کے لیے تو میں پہاڑ اٹھانے سے بھی دریغ نہیں کروں گا"۔

عاصم کو اچانک ایسا محسوس ہوا کہ وہ اس خوش وضع نوجوان کو ایک مدت سے جانتا ہے۔ اس لے کہا۔ "اب تمہارے مستقبل کے متعلق سوچنا میرا کام ہے۔ تم اطمینان سے کھانا کھاؤ میں ذرا اپنے ساتھیوں کو دیکھ آؤں"۔

فرمس نے کہا۔ "نہیں! ہمارے میزبان کو ہمارے ساتھ کھانا چاہیئے"۔

عاصم رک گیا اور تھوڑی دیر بعد یہ چاروں دسترخوان پر بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔

باب ۲۲

کلاڈیوس اسکندریہ کے گورنر کا بھتیجا اور رومی سینٹ کے ایک بااثر رکن کا بیٹا تھا۔ جن ایام میں ایرانی لشکر شام کے شمالی علاقوں کو تاخت و تاراج کر رہا تھا وہ روم کی فوج کے ایک سالار کی حیثیت سے حمص میں متعین تھا۔ حمص کی لڑائی میں زخمی ہونے کے بعد اس نے اپنے چند شکست خوردہ سپاہیوں کے ساتھ قیصاریہ کا رخ کیا لیکن راستے میں اس کی صحت بگڑ گئی اور قیصاریہ کے حاکم نے اسے لڑائی میں حصہ لینے کے ناقابل سمجھتے ہوئے کسی زیادہ محفوظ مقام پر چلے جانے کا مشورہ دیا۔ چند دن بعد اسکندریہ سے دو جہاز رسد کا سامان لے کر قیصاریہ پہنچے اور کلاڈیوس کے ساتھیوں نے اسے سخت بخار کی حالت میں ایک جہاز پر سوار کرا دیا۔ جہاز کا کپتان کلاڈیوس کو جانتا تھا اور اس نے سفر کے دوران میں اس کی تیمارداری میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا۔ راستے کی بندرگاہوں سے کئی اور لوگ جو مختلف شہروں سے جان بچا کر بھاگے تھے۔ ان جہازوں پر سوار ہوتے گئے چنانچہ جب یہ جہاز غزہ پہنچے تو ان پر تل دھرنے کی جگہ نہ تھی۔

غزہ میں پناہ گزینوں کا ہجوم راستے کی دوسری بندرگاہوں سے کہیں زیادہ تھا اور ان میں زیادہ تعداد ان رومی عورتوں اور بچوں کی تھی جو شام اور فلسطین کے مخدوش حالات کے پیش نظر اسکندریہ یا قبرص پہنچنے کے لیے بے قرار تھے۔

غزہ کے حاکم نے تمام جہاز روک لیے اور حکم دیا کہ وہ لوگ جو خشکی کے راستے سفر کر سکتے ہیں۔ رومی عورتوں اور بچوں کے لیے جگہ خالی کر دیں۔

کلاڈیوس کا بخار اتر چکا تھا لیکن ابھی اس میں خشکی کے راستے سفر کرنے کی سکت نہ تھی۔ تاہم جب دوسرے آدمی جہاز سے اترنے لگے تو اس نے ان کا ساتھ چھوڑنا گوارا نہ کیا۔ جہاز کے کپتان نے اسے روکنے کی کوشش کی تو اس نے جواب دیا: "عورتوں اور بچوں کا مسئلہ مجھ سے زیادہ اہم ہے اگر میں خشکی کے راستے سفر نہ کر سکا تو یہاں ٹھہر کر کسی اور جہاز کا انتظار کروں گا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ میں دو چار دن آرام کرنے کے بعد جنگ میں شریک ہونے کے قابل ہو جاؤں۔"

جہاز کے کپتان نے کہا: "اگر آپ مُصر ہیں تو میں بندرگاہ کے ناظم سے کہوں گا کہ وہ آپ کو شہر کے حاکم کے پاس پہنچا دے۔ مجھے یقین ہے کہ غزہ کا حاکم آپ کو ہر ممکن سہولت مہیا کرنے کی کوشش کرے گا۔"

بندرگاہ کا ناظم ایک سائبان کے نیچے بیٹھا مسافروں کی جانچ پڑتال کر رہا تھا۔ وہ باری باری پیش ہونے والے مسافروں سے چند سوال کرتا اور اس کے بعد جن خوش قسمت عورتوں، بچوں یا بوڑھوں کو جہاز پر سوار ہونے کی اجازت مل جاتی وہ دوسرے امیدواروں سے الگ ہو کر ایک طرف بیٹھ جاتے۔ بعض مسافر انتہائی بے صبری کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ کبھی کبھی وہ سائبان میں گھس جاتے اور ناظم کی میز کے گرد اتنی بھیڑ ہو جاتی کہ سپاہی انھیں دھکے دے کر پیچھے ہٹانے پر مجبور ہو جاتے۔ کلاڈیوس جس کے سر پر ابھی تک پٹی بندھی تھی۔ جہاز سے اتر کر کپتان سے باتیں کرتا ہوا سائبان کے اندر داخل ہوا تو بندرگاہ کا ناظم اسے دیکھتے ہی کرسی سے اٹھا اور اس سے بغلگیر ہو کر چلایا: "کلاڈیوس! تم یہاں کب آئے؟ خدا کی قسم میں آج بھی تمھارے متعلق ہی سوچ رہا تھا۔"

جہاز کے کپتان نے کہا: "مجھے معلوم نہ تھا کہ آپ ایک دوسرے کو جانتے ہیں میں آپ کو یہ بتانے آیا تھا کہ یہ زخمی ہیں اور انھیں کسی اچھے تیماردار کی ضرورت ہے۔"

ناظم نے جواب دیا: "مجھ سے بہتر کلاڈیوس کا تیماردار اور کون ہو سکتا ہے؟"

کلاڈیوس نے کہا: "میرا زخم قریباً مندمل ہو چکا ہے اور بخار بھی اتر گیا ہے۔ مجھے تازہ دم ہونے کے لیے صرف دو تین دن آرام کی ضرورت ہے۔"

جہاز کے کپتان نے کہا: "یہ میرے اصرار کے باوجود جہاز سے اتر پڑے ہیں! اور مجھے ڈر ہے کہ ابھی

چند دن اور یہ گھوڑے پر سواری کے قابل نہیں ہوں گے۔"

ناظم نے کلاڈیوس سے پوچھا: "آپ قیساریہ سے آئے ہیں؟"

"ہاں! میں حمص میں زخمی ہونے کے بعد وہاں پہنچ گیا تھا اور اب سوچ رہا ہوں کہ اگر میری حالت ذرا بہتر ہو جائے تو میں اسکندریہ کا رُخ کرنے کی بجائے دمشق پہنچ جاؤں۔"

ناظم نے مغموم لہجے میں کہا: "آپ کو شاید معلوم نہیں کہ دمشق کا محاصرہ ہو چکا ہے اور اب ہمارا کوئی سپاہی شہر کے اندر داخل نہیں ہو سکتا۔"

یہ خبر کلاڈیوس کے لیے غیر متوقع نہ تھی تاہم اس کا اثر اتنا شدید تھا کہ اس کے منہ سے کوئی بات نہ نکل سکی۔

ناظم کے اشارے سے سپاہیوں نے دو کرسیاں لا کر وہاں رکھ دیں اور وہ بیٹھ گئے۔

ناظم نے کہا: "آپ بہت دبلے ہو گئے ہیں اور شاید اس وقت بھی آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں۔ موجودہ حالات میں آپ کا اسکندریہ پہنچنا بہتر ہوگا۔ ممکن ہے کہ کچھ عرصہ تک اسکندریہ ہماری آخری حصار بن جائے۔ غزہ اب ان گنت پناہ گزینوں کی درمیانی منزل بن چکا ہے اور ہمارے لیے ان لوگوں کو یہاں سے نکالنا اشد ضروری ہے ورنہ فوج کے حصے کی تمام غذائی رسد یہ کھا جائیں گے۔ ہر روز پناہ گزینوں کے نئے قافلے یہاں پہنچ رہے ہیں اگر اسکندریہ کا بحری بیڑا فوراً حرکت میں آجائے تو ہماری مشکل آسان ہو سکتی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ وہاں پہنچ کر اپنے چچا کو اس طرف متوجہ کر سکیں گے۔ ہم نے قبرص کے امیر البحر سے بھی اعانت کی درخواست کی ہے لیکن موجودہ حالات میں ان کے نزدیک شاید پناہ گزینوں کا مسئلہ زیادہ اہم نہ ہو۔"

سائبان کے گرد جمع ہونے والے لوگ پھر ایک بار بے چینی کا مظاہرہ کرنے لگے۔ سپاہی انھیں ڈرا دھمکا کر دور رکھنے کی کوشش کر رہے تھے۔ اچانک ایک خوبصورت لڑکی اپنا راستہ روکنے والے سپاہی سے کترا کر سائبان کے اندر داخل ہوئی اور اس نے سراپا التجا بن کر ناظم سے کہا: "جناب! خدا کے لیے میری والدہ پر رحم کیجیے وہ بیمار ہیں۔ ہم کئی دن سے یہاں پڑے ہیں اگر وہ یہاں پہنچ کر

کر بیمار نہ ہو جاتیں تو ہم کبھی کے بابلیون یا اسکندریہ پہنچ گئے ہوتے۔"

ناظم نے تملا کر کہا: "یہ لڑکی پاگل ہے۔ میں اس سے کئی بار کہہ چکا ہوں کہ مجھے رومیوں کے سوا کسی کو جہاز پر جگہ دینے کی اجازت نہیں۔"

لڑکی نے کہا: "کیا آپ کے نزدیک رومیوں کے سوا کسی کی جان اور آبرو کی قیمت نہیں؟"

ناظم نے سپاہیوں کی طرف متوجہ ہو کر کہا: "اسے لے جاؤ میں اس سے بحث نہیں کرنا چاہتا اور اب اگر یہ مجھے پریشان کرنے کی کوشش کرے تو اسے دھکے دے کر بندرگاہ کے احاطے سے باہر نکال دو۔"

ایک سپاہی آگے بڑھا لیکن کلاڈیوس نے اٹھ کر اسے روکتے ہوئے کہا: "ٹھہرو!" پھر وہ ناظم کی طرف متوجہ ہوا۔ "شاید تم یہ نہیں جانتے کہ ایرانی ایسی لڑکیوں کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہیں۔"

ناظم نے کہا: "میں جانتا ہوں اور یقین کیجئے کہ مجھے اس کے ساتھ ہمدردی ہے۔ یہ چوتھی بار سپاہیوں کا حلقہ توڑ کر مجھ سے تکرار کر چکی ہے لیکن میں غزہ کے حاکم کی ہدایات کی خلاف ورزی نہیں کر سکتا۔ اس کا حکم یہ ہے کہ رومیوں کے سوا کسی کو سرکاری جہازوں پر سوار ہونے کی اجازت نہ دی جائے۔"

کلاڈیوس نے کہا: "دیکھئے! مجھے جہاز پر سفر کرنے کا حق ہے اور میں اس مصیبت زدہ لڑکی کے لیے اپنے حق سے دستبردار ہوتا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ جہاز کا کپتان میری جگہ دو عورتیں سوار کرنے پر اعتراض نہیں کرے گا۔ آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ یہ تمام رومی عورتیں اور بچے جو یہاں موجود ہیں دو جہازوں پر سوار نہیں ہو سکیں گے۔ انہیں غزہ سے نکالنے کے لیے کئی جہازوں کی ضرورت ہے اور میں آپ سے یہ وعدہ کرتا ہوں کہ اپنے چچا کو مزید جہاز بھیجنے پر مجبور کر سکوں گا ——— مجھے یقین ہے کہ میرا یہ وعدہ غزہ کے حاکم کو مطمئن کرنے کے لیے کافی ہوگا۔"

ناظم نے کہا: "اگر آپ ہماری اتنی مدد کر سکتے ہیں تو پھر میں ضروری سمجھتا ہوں کہ آپ بھی یہاں ٹھہرنے کی بجائے ان کے ساتھ ہی روانہ ہو جائیں۔"

کلاڈیوس نے لڑکی کی طرف متوجہ ہو کر کہا: "تمہاری ماں کہاں ہے؟"

"وہ باہر بخار کی حالت میں لیٹی ہوئی ہے۔"

ناظم نے کہا: "جاؤ اسے لے آؤ!"

یہ بڑی بڑی سیاہ اور چمکدار آنکھوں، لمبی گردن اور تیکھے نقوش والی لڑکی نرس کی بیٹی انطونیہ تھی اور ایک ساعت بعد کلاڈیوس اس کے ساتھ جہاز میں سفر کر رہا تھا۔ انطونیہ اس سے کہہ رہی تھی: "ہم تین ہفتوں سے غزہ میں دھکے کھا رہے تھے۔ وہاں پہنچتے ہی ہمارے گھوڑے فوجی ضرورت کے لیے ضبط کر لیے گئے تھے۔ پچھلے ہفتے ہمارا نوکر ایک اونٹ خرید لایا اور ہم نے خشکی کے راستے ایک قافلے کے ساتھ چلنے کا ارادہ کیا لیکن میری والدہ اچانک بیمار ہو گئیں۔ آج ہم چاروں طرف سے مایوس ہو چکے تھے کہ قدرت نے آپ کو بھیج دیا۔"

کلاڈیوس نے کہا: "مجھے افسوس ہے کہ آپ کے نوکر کو جہاز میں جگہ نہ مل سکی۔ لیکن آپ کو پریشان نہیں ہونا چاہیئے۔ اگر وہ خشکی کے راستے کسی قافلے کے ساتھ نہ جا سکا تو میں واپسی پر اسے غزہ میں تلاش کر کے آپ کے پاس پہنچا دوں گا۔"

انطونیہ نے پوچھا: "آپ واپس آئیں گے؟"

"ہاں! میں نے بندرگاہ کے ناظم سے وعدہ کیا ہے کہ پناہ گزینوں کو نکالنے کے لیے اسکندریہ سے مزید جہاز لانے کی کوشش کروں گا۔"

"آپ بہت رحمدل ہیں۔" لڑکی نے احسان مندانہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

انطونیہ کی ماں نے جو ان کے قریب لیٹی ہوئی تھی پانی مانگا اور کلاڈیوس بھاگ کر لکڑی کا ایک کٹورا بھر لایا۔

"اب آپ کی طبیعت کیسی ہے؟" اس نے پانی پلانے کے بعد پوچھا۔

انطونیہ کی ماں نے جواب دیا: "میں ٹھیک ہوں بیٹا! خدا تمہارا بھلا کرے۔"

چند دن سفر کے دوران میں کلاڈیوس اور انطونیہ ایک دوسرے کے بہت قریب آچکے تھے اور ایک دن جب ان کا جہاز اسکندریہ کی بندرگاہ میں لنگر انداز ہو رہا تھا۔ وہ یہ محسوس کر رہے تھے کہ کاش! یہ سفر اتنی جلدی ختم نہ ہوتا۔ انطونیہ کی ماں کے لیے پالکی کا انتظام کرنے کے بعد کلاڈیوس ان کے ساتھ چل دیا۔ تھوڑی دیر بعد یہ لوگ انطونیہ کے ماموں بطلیموس کے مکان میں داخل ہوئے۔ بطلیموس اسکندریہ کا ایک خوشحال تاجر تھا اس نے کلاڈیوس کو کھانے کے لیے روکنے کی کوشش کی لیکن اس نے جواب دیا: "میں کسی تاخیر کے بغیر اپنے چچا کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتا ہوں ——— اگر موقع ملا تو پھر کسی وقت حاضر

ہوجاؤں گا۔"

بطلیموس نے کہا: "تو پھر آپ شام کا کھانا میرے ساتھ ضرور کھائیں؟"

کلاڈیوس نے جواب دیا: "اگر میں یہاں ٹھہر سکا تو ضرور آؤں گا لیکن ممکن ہے کہ چچا جان غزہ سے پناہ گزینوں کو نکالنے کی مہم مجھے سونپ دیں اور میں آج ہی یہاں سے روانہ ہوجاؤں۔"

انطونیہ نے بطلیموس سے مخاطب ہوکر کہا: "ماموں جان! مجھے یقین ہے کہ غزہ سے دوبارہ واپس آنے تک یہ ہمارے گھر کا راستہ بھول چکے ہوں گے۔"

"نہیں انطونیہ" بطلیموس نے جواب دیا: "یہ ہمیں شکریہ کا موقع دینے میں بخل سے کام نہیں لیں گے۔"

انطونیہ، جو اپنی ماں کے بستر کے قریب بیٹھی بڑی مشکل سے اپنے آنسو ضبط کرنے کی کوشش کر رہی تھی، اٹھ کر باہر نکل گئی۔ کلاڈیوس نے اٹھ کر مصافحے کے لیے بطلیموس کی طرف ہاتھ بڑھایا لیکن اس نے کہا: "نہیں جناب! میں دروازے تک آپ کے ساتھ چلوں گا۔"

"نہیں، نہیں، تکلف کی ضرورت نہیں آپ مریضہ کے پاس تشریف رکھیے!" کلاڈیوس نے یہ کہہ کر بطلیموس سے مصافحہ کیا اور اسے کچھ اور کہنے کا موقع دیئے بغیر کمرے سے باہر نکل آیا۔

انطونیہ صحن میں کھڑی تھی۔ کلاڈیوس اس کے قریب پہنچ کر رکا اور ایک ثانیہ توقف کے بعد بولا: "انطونیہ! میں اس گھر کا راستہ نہیں بھولوں گا۔"

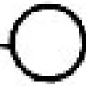
انطونیہ نے کہا: "میں مرتے دم تک آپ کا انتظار کروں گی۔" اور اس کے ساتھ اس کی خوبصورت آنکھوں سے آنسو چھلک پڑے۔

"خدا حافظ! انطونیہ" کلاڈیوس یہ کہہ کر آگے بڑھا، رکا اور ایک ثانیہ مڑ کر دیکھنے کے بعد لمبے لمبے قدم اٹھاتا باہر نکل گیا۔

گھر کی عورتیں چند قدم دور کھڑی انطونیہ کی طرف دیکھ رہی تھیں اور ان کی نگاہوں میں ان گنت سوالات تھے لیکن انطونیہ ان کی طرف توجہ دینے کی بجائے کمرے میں چلی گئی۔

بطلیموس جو مریضہ سے باتیں کر رہا تھا۔ قدرے توقف کے بعد انطونیہ سے مخاطب ہوکر بولا: "بیٹی!

میں تمہاری آنکھوں میں آنسو دیکھ رہا ہوں لیکن تمہیں یہ نہیں بھولنا چاہیئے کہ وہ رومی ہے اور اسکندریہ کے حاکم کا بھتیجا ہے۔" انطونیہ کوئی جواب دینے کی بجائے اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپا کر سسکیاں ضبط کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔



ان واقعات کے چند ہفتے بعد فرمس، بابلیون سے ہوتا ہوا اسکندریہ پہنچا تو اس کی بیوی زندگی کی آخری گھڑیاں گن رہی تھی۔ نیک دل شوہر کی نگاہوں کے سامنے آٹھ پہر موت وحیات کی کشمکش میں مبتلا رہنے کے بعد اس نے اپنا سفرِ حیات ختم کردیا۔ چند دن بعد فرمس نے اپنی بیٹی کے ساتھ بابلیون جانے کا ارادہ کیا لیکن بطلیموس کے اصرار پر وہ ایک ہفتہ اور اس کے ہاں ٹھہرنے پر رضامند ہوگیا۔ اس عرصہ میں اسکندریہ کے کئی جہاز غزہ سے پناہ گزینوں کو لے کر واپس آچکے تھے لیکن انطونیہ کو کلاڈیوس کے متعلق کوئی اطلاع نہ ملی۔ ماں کی موت کے صدمے کے باعث وہ زندگی کی بیشتر دلچسپیوں سے کنارہ کش ہوچکی تھی لیکن کلاڈیوس کو بھول جانا اس کے بس کی بات نہ تھی۔ اسے بطلیموس کے یہ الفاظ بار بار یاد آتے تھے کہ کلاڈیوس ایک رومی ہے اور اسکندریہ کے حاکم کا بھتیجا ہے۔ تاہم انتہائی مایوسی کی حالت میں بھی وہ اس خود فریبی میں مبتلا رہنا چاہتی تھی کہ کلاڈیوس کسی دن اس کی تلاش میں آئے گا۔

کوئی دروازے پر دستک دیتا تو اس کے دل کی دھڑکنیں تیز ہوجاتیں۔ کوئی غزہ سے آنے والے زخمیوں اور پناہ گزینوں کا ذکر چھیڑتا تو وہ اس کے منہ سے کلاڈیوس کا ذکر سننے کے لیے بیتاب ہوجاتی۔ اسکندریہ چھوڑنے سے ایک دن قبل وہ بطلیموس کی بیوی اور دو بیٹیوں کے ساتھ اپنی ماں کی قبر دیکھ کر واپس آرہی تھی۔ ایک کشادہ بازار سے گلی میں داخل ہوتے وقت اسے بطلیموس کا حبشی غلام دکھائی دیا جو چلنے کی بجائے بھاگ رہا تھا۔

بطلیموس کی بیوی نے اسے ہاتھ کے اشارے سے روکتے ہوئے پوچھا: "تم کہاں جارہے ہو۔ اور اتنے بدحواس کیوں ہو؟"

غلام نے جواب دیا: "جناب! میں آقا کو دکان سے بلانے جارہا ہوں، ایک رومی ان سے

ملنا چاہتا ہے۔"

انطونیہ نے بے چین ہو کر پوچھا۔ "وہ کہاں ہے؟"

"میں اسے اندر بٹھا آیا ہوں۔" غلام نے جواب دیا۔

"ابا جان گھر پر ہیں؟"

"نہیں وہ ابھی باہر نکلے تھے۔ میرا خیال ہے کہ وہ بھی دکان پر ہوں گے۔"

غلام یہ کہہ کر بھاگ گیا۔ اور بطلیوس کی بیوی نے کہا۔ "بیٹی مبارک ہو۔ مجھے یقین تھا کہ وہ ضرور کیگلاب چلو!" انطونیہ ان کے ساتھ چل پڑی۔ مہمانوں کا کمرہ ڈیوڑھی سے ملا ہوا تھا لیکن انطونیہ کو آگے بڑھنے کی ہمت نہ ہوئی اور وہ تذبذب کی حالت میں دوسری عورتوں کی طرف دیکھنے لگی۔ بطلیوس کی بیوی نے اپنی بیٹیوں کو ہاتھ سے اشارہ کیا اور وہاں سے کھسک گئیں۔ پھر وہ انطونیہ کی طرف متوجہ ہوئی۔ "بیٹی! تم ایک دوسرے کے لیے اجنبی نہیں ہو، جاؤ!"

انطونیہ چہرے پر شرم و حیا کی سرخیاں لیے ملاقات کے کمرے میں داخل ہوئی لیکن وہاں کلاڈیوس کی بجائے ایک اجنبی بیٹھا ہوا تھا وہ ان گنت نغمے جو انطونیہ کے دماغ میں گونج رہے تھے لیکایک خاموش ہو گئے۔

"آپ غزہ سے آئے ہیں؟" اس نے ڈوبتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"جی ہاں!" رومی نے اٹھ کر جواب دیا۔

"آپ کو کلاڈیوس نے بھیجا ہے؟"

"جی ہاں!"

"وہ یہاں نہیں آئیں گے؟"

"وہ ضرور آئیں گے لیکن ابھی نہیں۔ ان دنوں غزہ میں جمع ہونے والے پناہ گزینوں اور زخمیوں کی تعداد بہت بڑھ گئی ہے اور جب تک انھیں وہاں سے نکال نہیں لیا جاتا کلاڈیوس واپس نہیں آ سکتے۔ اگر میں غلطی نہیں کرتا تو آپ انطونیہ ہیں۔ کلاڈیوس نے مجھے آپ کے لیے ایک ضروری پیغام دیا ہے وہ کہتے تھے کہیں آپ یہ سمجھ نہ لیں کہ میں آپ کے گھر کا راستہ بھول چکا ہوں۔ وہ یہ بھی پوچھتے تھے کہ آپ کی والدہ

کی صحت کیسی ہے؟"

انطونیہ نے پُر امید ہو کر پوچھا۔ "آپ واپس غزہ جائیں گے؟"

"جی ہاں! میں آج ہی کسی جہاز پر روانہ ہو جاؤں گا۔"

"آپ کلاڈیوس کے پاس میری طرف سے یہ پیغام لے جائیں کہ میری والدہ وفات پا چکی ہیں میرے والد یہاں پہنچ گئے ہیں اور میں ان کے ساتھ بابلیون جا رہی ہوں۔"

رومی نے پوچھا۔ "کیا میں انھیں یہ پیغام بھی دے سکتا ہوں کہ آپ ان سے خفا نہیں ہیں؟"

"کس بات پر؟"

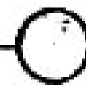
"ان کا خیال تھا کہ شاید آپ ان کی معذرت قبول نہ کریں۔"

"آپ انھیں یہ پیغام دے سکتے ہیں کہ میں ان سے خفا نہیں ہوں۔" انطونیہ یہ کہہ کر مسکرائی اور اس کے ساتھ ہی اس کی آنکھوں میں آنسو امڈ آئے۔

رومی نے کہا۔ "میں بطلیوس کی وساطت سے آپ کو ان کا پیغام پہنچانا چاہتا تھا۔ آپ کا ذکر انھیں بتلانے گیا ہے لیکن میرا خیال ہے کہ اب میں اپنا فرض پورا کر چکا ہوں۔ اس لیے مجھے اجازت دیجئے۔ یہاں مجھے بہت سے کام ہیں۔"

انطونیہ نے پوچھا۔ "آپ کھانا نہیں کھائیں گے؟"

"نہیں! میں کھانا کھا چکا ہوں۔ اب مجھے اجازت دیجئے۔" رومی یہ کہہ کر کمرے سے باہر نکل گیا۔



چند دن بعد فرمس اپنی بیٹی کے ساتھ بابلیون پہنچ گیا۔ کئی سال ایک منفعت بخش کاروبار سے فرمس نے جو سرمایہ جمع کیا تھا وہ عمر بھر کی ضرورت کے لیے کافی تھا۔ لیکن وہ بیکار بیٹھنے کا عادی نہ تھا — اس نے دریائے نیل کے کنارے ایک سرائے خرید لی اور اپنا پرانا دھندا شروع کر دیا۔

فلسطین کی طرح مصر میں بھی یہ عام تاثر پایا جاتا تھا کہ اگر ایرانی لشکر نے یروشلم کا رخ کیا تو اسے

عبرتناک تباہی کا سامنا کرنا پڑے گا لیکن یروشلم میں شکست کھانے کے بعد اُن لوگوں کے حوصلے ٹوٹ گئے جو آخری وقت قدرت کے کسی معجزے کا انتظار کر رہے تھے۔ اس کے بعد جب غزہ میں بھی رومیوں کی سطوت کے پرچم سرنگوں ہو گئے تو شام اور فلسطین کی طرح وادیٔ نیل کے شہروں اور بستیوں میں بھی موت کے بھیانک سائے دکھائی دینے لگے۔

بابلیون پہنچنے کے بعد کلاڈیوس کے متعلق انطونیہ کو آخری اطلاع یہ ملی تھی کہ وہ غزہ سے اچانک یروشلم کے محاذ پر چلا گیا ہے۔ اس کے بعد کئی ماہ تک اسے یہ معلوم نہ ہو سکا کہ وہ کہاں ہے اور کس حال میں ہے۔

ایک اتوار کی صبح وہ اپنے باپ کے ساتھ گرجے جانے کی تیاری کر رہی تھی کہ دروازے پر کسی نے دستک دی اور چند ثانیے بعد نوکر بھاگتا ہوا اندر آیا۔ اس نے فرمس کو اطلاع دی کہ ایک رومی افسر آپ سے ملنا چاہتا ہے۔ وہ اپنا نام کلاڈیوس بتاتا ہے ـــ ایک ثانیہ کے لیے کائنات کی تمام مسرتیں سمٹ کر انطونیہ کے چہرے پر آ گئیں۔ فرمس تیزی سے قدم اٹھاتا ہوا باہر نکلا۔ تھوڑی دیر بعد وہ کلاڈیوس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیے واپس آیا اور یہ تینوں ایک کمرے میں بیٹھ گئے ـــ انطونیہ تصور میں پہروں اس سے گلے اور شکوے کیا کرتی تھی لیکن اب اس کی زبان گنگ ہو چکی تھی اور اسے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ اس کے ماضی اور حال کے درمیان سارے خلا پُر ہو چکے تھے۔

فرمس نے کہا "آپ کو میرے گھر میں داخل ہونے کے لیے اجازت لینے کی ضرورت نہ تھی۔ ہم مدت سے آپ کا انتظار کر رہے تھے۔

انطونیہ کے اصرار پر میں چار مرتبہ اپنا نوکر اسکندریہ بھیج چکا ہوں لیکن وہاں بھی آپ کے متعلق کسی کو معلوم نہ تھا۔"

کلاڈیوس نے کہا۔ "مجھے غزہ سے کمک کے ساتھ یروشلم کی طرف بھیجا گیا تھا لیکن شہر سے چند کوس دور دشمن کی ایک فوج نے گھیرے میں لے لیا اور ہم شدید نقصان اٹھانے کے بعد ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو گئے۔ میں ان چند خوش قسمت لوگوں میں سے تھا جنہیں دشمن نے غلامی کے قابل سمجھ کر قتل کرنے کی ضرورت محسوس نہ کی۔ چند ماہ اردن کے ایک قلعے میں قید رہنے کے بعد میں جنگی قیدیوں کے ایک قافلے کے ساتھ

ایران کی طرف روانہ ہوا۔ میں دشمن کی غلامی سے بچنے کے لیے ہر خطرہ مول لینے کو تیار تھا۔ چند رومی اور شامی نوجوان میرے ساتھ مل گئے۔ کئی ہفتے سفر کرنے کے بعد ہمیں ایک رات شدید آندھی کے باعث فرار ہونے کا موقع مل گیا۔ میرے ساتھ بائیس ۲۲ آدمی تھے۔ لیکن چار، رات کی تاریکی میں، ہم سے بچھڑ گئے۔ صبح کے وقت ہمارے سامنے ایک لق و دق صحرا تھا۔ آندھی سے اڑتی ہوئی ریت میں ہمارے پاؤں کے نشان مٹتے جا رہے تھے اور ہمیں یہ اطمینان تھا کہ اگر دشمن سواروں نے ہمارا پیچھا کیا تو بھی ان کے لیے ہمارا کھوج لگانا آسان نہیں ہو گا۔ دوپہر تک ہمارے تین ساتھی مارے پیاس کے دم توڑ چکے تھے اور باقی جاں کنی کے عالم میں تھے اور ہماری یہ حالت تھی کہ اگر دشمن کے سوار آ جاتے تو ہم پانی کا ایک گھونٹ حاصل کرنے کے لیے اپنے آپ کو ان کے حوالے کر دیتے۔ تیسرے پہر ہم ایک بلند ٹیلے کے سائے میں لیٹے تھے۔ آندھی تھم چکی تھی لیکن ہمیں اپنی موت سے زیادہ کسی بات کا یقین نہ تھا۔ ایک شامی نوجوان جسے ہم اپنا راہنما تسلیم کر چکے تھے۔ آہستہ آہستہ ٹیلے پر چڑھنے لگا اور میں بھی گرتا سنبھلتا اس کے پیچھے ہو لیا۔ ٹیلے کے دوسری طرف تنگ وادی میں خانہ بدوش عربوں کا ایک قافلہ دکھائی دیا۔

تھوڑی دیر بعد ہم سب ایک ٹھنڈے اور میٹھے چشمے کا پانی پی رہے تھے۔ یہ خانہ بدوش عیسائی تھے اور ان کا سردار ایک رحم دل آدمی تھا۔ ہم چار دن اُس کے مہمان رہے۔ اس کے بعد ہمارا سفر انتہائی ناخوشگوار تھا۔ راستے کے آباد علاقوں کے شہروں میں ایرانیوں کا خطرہ محسوس کرتے ہوئے ہم چھوٹی چھوٹی بستیوں میں قیام کرتے تھے۔ اور ان بستیوں میں داخل ہونے سے پہلے ہم اپنے شامی راہنما کو بھیج کر دشمن کی نقل و حرکت کے متعلق اطمینان کر لیتے تھے۔ غسانی قبائل کے لوگ ہمارے حال پر بہت مہربان تھے اور ان کے بعض سردار ہمارے بیمار ساتھیوں کو اگلی منزل تک پہنچانے کے لیے اونٹ اور گھوڑے بھی مہیا کر دیتے تھے۔ فلسطین کے علاقے میں داخل ہونے کے بعد ہمیں معلوم ہوا کہ دشمن غزہ پر قابض ہو چکا ہے اس لیے میرے وہ ساتھی جو شام اور فلسطین کے باشندے تھے۔ مایوس ہو کر اپنے گھروں کو چلے گئے اور میں دو مصری اور سات رومی سپاہیوں کے ہمراہ صحرائے سینا عبور کرنے کے بعد یہاں پہنچا ہوں۔"

فرمس نے کہا۔ "میں آپ کا شکرگزار ہوں۔ انطونیہ آپ کے متعلق بہت پریشان تھی۔"

کلاڈیوس نے انطونیہ کی طرف متوجہ ہو کر کہا "مجھے آپ کی والدہ کی وفات کی اطلاع مل گئی تھی۔ مجھے اس کا بہت دُکھ ہے۔"

فرمس نے پوچھا "آپ کے باقی ساتھی کہاں ہیں؟"

کلاڈیوس نے جواب دیا "میں انھیں مستقر پر چھوڑ آیا ہوں۔"

"میں انھیں یہاں بلا لیتا ہوں۔ آپ سب ہمارے مہمان ہیں۔"

کلاڈیوس نے کہا "نہیں! وہ تھکے ہوئے ہیں اور اب سو رہے ہوں گے۔ ہمارا ارادہ ہے کہ جلد از جلد یہاں سے روانہ ہو جائیں۔"

انطونیہ کے چہرے پر اچانک اداسی چھا گئی اور اس نے منہ پھیر لیا۔

کلاڈیوس نے قدرے توقف کے بعد کہا "ہمیں کسی تاخیر کے بغیر اسکندریہ پہنچنا چاہیے تھا لیکن میں اپنے ساتھیوں کو مجبور کر کے یہاں لے آیا ہوں ـــــ میرے لیے یہاں پہنچنا زندگی کا اہم ترین مسئلہ تھا۔ مجھے معلوم نہیں کہ آپ کے والد میری باتوں سے کیا تاثر لیں گے لیکن خدا گواہ ہے کہ جب میں صحرا میں پیاس سے تڑپ رہا تھا ـــ اور میری نگاہوں کے سامنے موت کے سوا کچھ نہ تھا تو اس وقت بھی میری سب سے بڑی خواہش یہ تھی کہ اگر قدرت مجھے چند گھڑیاں زندہ رہنے کی مہلت دے اور میرے پر لگ جائیں تو میں سیدھا بابلیون پہنچ کر تمہارا گھر تلاش کروں گا اور تم سے کہوں گا کہ قید کی حالت میں میرے تمام سپنے تمہارے متعلق تھے۔ میں تمہارے اباجان سے کہوں گا کہ میں ایک شکست خوردہ فوج کا سپاہی ہوں۔ ایک ایسی قوم کا فرد ہوں جس کا سارا غرور خاک میں مل چکا ہے۔ میں اپنے حال سے نادم اور مستقبل سے مایوس ہوں لیکن اگر میں عظیم ترین فتوحات حاصل کرنے کے بعد یہاں آتا تو بھی آپ کے سامنے دو زانو ہو کر یہ التجا کرتا کہ.... میں آپ کی بیٹی کے لیے دنیا کی ہر نعمت اور ہر راحت ٹھکرانے کو تیار ہوں۔"

انطونیہ آنکھوں میں مسرت کے آنسو اور چہرے پر حیا کی سرخیاں لیے وہاں سے اٹھی اور بھاگ کر دوسرے کمرے میں چلی گئی۔

کلاڈیوس، فرمس کے چہرے سے اس کے دل کی کیفیت کا اندازہ نہ کر سکا اس نے کہا "اگر میری یہ

ت آپ کے نزدیک گستاخی ہے تو آپ میرے لئے بدترین سزا تجویز کر سکتے ہیں۔ میں اپنے نام و نسب کا فرد اس گھر کی چار دیواری سے باہر چھوڑ آیا ہوں۔ امن کے زمانے میں، میں اس گفتگو کے لئے کسی مناسب نت کا انتظار کرتا اور میری کوشش یہی ہوتی کہ آپ مجھے اچھی طرح پرکھ لیں۔ یہ بھی ممکن تھا کہ میری جانے ے والد یا چچا کی طرف سے کوئی ایلچی آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا لیکن مجھے یقین ہے کہ آپ اس طوفانی دَور ی مجبوریوں کو نظر انداز نہیں کریں گے۔ میں زیادہ سے زیادہ دو دن اور یہاں ٹھہر سکوں گا۔ اگر آپ اس وقت ے کوئی جواب نہیں دے سکتے تو میں آج شام یا کل صبح حاضر ہو جاؤں گا۔"

فرمس کچھ دیر بے حس و حرکت بیٹھا کلاڈیوس کی طرف دیکھتا رہا پھر اُس نے مڑ کر دوسرے کمرے کے دروازے کی طرف دیکھا اور کہا "انطونیہ ادھر آؤ!" انطونیہ جھجکتی شرماتی کواڑ کی اوٹ سے نمودار ہوئی اور آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی ہوئی آگے بڑھی۔

فرمس نے کہا "بیٹی! یہ نوجوان تم سے شادی کی درخواست لے کر آیا ہے اور میں تمہارے چہرے سے اس درخواست کا جواب پڑھ سکتا ہوں۔ مجھے معلوم نہیں کہ اب تک تم دونوں کے درمیان کیا باتیں ہوئی ہیں، اور تم ایک دوسرے کو کس حد تک جانتے ہو ـــــ تاہم میں تمہیں یہ بتانا ضروری سمجھتا ہوں کہ کلاڈیوس روم کی سنیٹ کے ایک معزز رکن کا بیٹا اور اسکندریہ کے گورنر کا بھتیجا ہے اور تمہارا باپ صرف بابلیون میں ایک معمولی سرائے کا مالک ہے۔"

کلاڈیوس نے احتجاج کیا "جناب! میں نے اپنے باپ یا چچا کا ذکر نہیں کیا۔ میں صرف اپنے خلوص پر بھروسا کر کے یہاں آیا ہوں۔"

فرمس نے کہا "میں تمہارے خلوص پر شبہ نہیں کرتا لیکن یہ ضروری ہے کہ تم کم از کم اپنے چچا سے اجازت حاصل کر لو۔"

کلاڈیوس نے پُرامید ہو کر کہا "اگر آپ نے میری درخواست قبول کر لی ہے تو اپنے چچا سے اجازت حاصل کرنے میں مجھے کوئی دشواری پیش نہیں آئے گی۔"

فرمس نے شفقت سے اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا "تمہاری درخواست میری اکلوتی بیٹی

کی ان گنت دعاؤں کا جواب ہے ۔ مجھے صرف یہ اندیشہ تھا کہ انطونیہ نے کہیں تمہاری شرافت اور ہمدردی سے متاثر ہو کر اپنے مستقبل کے متعلق غلط امیدیں قائم نہ کر لی ہوں ۔۔۔ لیکن تم میری توقع سے زیادہ شریف اور انطونیہ میری امیدوں سے زیادہ خوش نصیب ثابت ہوئی ہے اور میں تم دونوں کو مبارک باد دیتا ہوں۔ میں آج شام سے پہلے پہلے انطونیہ کا ہاتھ تمہارے ہاتھ میں دینے کو تیار ہوں لیکن تم بھی شاید یہ پسند نہ کرو گے کہ ہم پر ایک عالی نسب ودھی کو بہکانے یا ورغلانے کا الزام عائد کیا جائے ۔ اس لئے مناسب یہی ہے ، کہ تم کم از کم اپنے چچا کو اپنا ہم خیال ضرور بنا لو۔"

کلاڈیوس نے جواب دیا "میں آپ کے حکم کی تعمیل کروں گا۔"

تیسرے دن کلاڈیوس اسکندریہ کا رُخ کر رہا تھا ، انطونیہ کے ساتھ رفاقت کے تصور سے اُسے اپنے مستقبل کی تمام منزلیں دلکش دکھائی دیتی تھیں لیکن اُس کے دل کی گہرائیوں میں ایک خلش ابھی تک موجود تھی ۔ انتہائی کیف و سرور کی حالت میں اُسے کبھی کبھی ایسا محسوس ہوتا کہ وہ مہیب تاریکیاں جو اُس نے شام اور فلسطین میں دیکھی تھیں اُس کے ہمراہ بھاگ رہی ہیں ۔ وہ اپنے دل میں کہتا ۔ "کلاڈیوس تم جیسے ہزاروں نوجوان اور انطونیہ جیسی ہزاروں لڑکیاں جنگ کے طوفان کی نذر ہو چکی ہیں اور اب یہ طوفان وادیٔ نیل کی طرف بڑھ رہا ہے ۔ تم اُس سلطنت کے سپاہی ہو جس کا مستقبل ہر لحظہ تاریک تر ہوتا جا رہا ہے ۔ کیا یہ بہتر نہ تھا کہ تم انطونیہ کو اپنی رفیقہ حیات بنانے کے لئے کسی مناسب وقت کا انتظار کرتے ؟" اور پھر جب اس قسم کے خیالات اُسے ناقابل برداشت حد تک تکلیف دہ محسوس ہونے لگتے تو وہ اپنے دل کو تسلیاں دینے کی کوشش کرتا ۔ "نہیں ! میں غلطی پر نہیں ہوں ۔ ایک بے بس انسان اگر ان غیر یقینی حالات میں زندگی سے مسرت کے چند مہینے ، چند دن یا چند لمحے چھین لے تو یہ غلطی نہیں ۔ اور یہ بھی ناممکن نہیں کہ مصر کے کسی میدان میں ہم ایرانیوں کے سیلاب کا رُخ بدل دیں ۔ انطونیہ کی محبت مجھے ایک سپاہی کے حصے کی ذمہ داریاں پوری کرنے سے منع نہیں کرے گی بلکہ اب مجھے اُس سلطنت کی حفاظت کے لئے جان دیتے ہوئے بھی تکلیف محسوس نہیں ہو گی جس کے ایک گوشے میں انطونیہ کا خاندان آباد ہے ۔"

چند دن بعد انطونیہ مکان کے صحن میں بیٹھی شام کی خوشگوار ہوا کا لطف اٹھا رہی تھی ۔ فرمس ابھی تک

[گھر] نہ واپس نہ آیا تھا ۔ دروازے پر کسی نے دستک دی نوکر جو دروازے کے قریب بیٹھا تھا اُٹھ کر آگے [بڑھا] اور دروازہ کھول کر باہر نکل گیا ۔ انطونیہ جو دروازے کے باہر ذرا سی آہٹ پا کر بے چین ہو جایا کرتی تھی چند [لمحے] انتظار کرنے کے بعد اٹھی اور بھاگتی ہوئی نیم وا دروازے کے قریب جا پہنچی ۔ سامنے کلاڈیوس گھوڑے [کی] باگ تھامے کھڑا تھا اور نوکر اس سے کہہ رہا تھا "جناب ! میں آپ کو جانتا ہوں ، لیکن آقا اس وقت گھر پر نہیں [ہیں] اس لئے آپ تھوڑی دیر بعد تشریف لائیں ۔"

کلاڈیوس انطونیہ کو دیکھ چکا تھا اُس نے مسکراتے ہوئے کہا "بہت اچھا تم میرا گھوڑا اندر لے جاؤ میں یہیں دہلیز پر بیٹھ کر تمہارے آقا کا انتظار کرتا ہوں ۔"

انطونیہ نے ایک قدم آگے بڑھ کر کہا ۔ "یہ بہت بیوقوف ہے ۔"

نوکر نے پریشان ہو کر انطونیہ کی طرف دیکھا اور پھر کلاڈیوس کے ہاتھ سے گھوڑے کی باگ لے لی ۔

کلاڈیوس اندر داخل ہوا اور تھوڑی دیر بعد وہ ایک دوسرے کے سامنے بیٹھے بے تکلفی سے باتیں کر رہے تھے ۔ کلاڈیوس نے کہا ۔ "انطونیہ میں اپنی زندگی کی اہم ترین مہم میں کامیاب ہو کر واپس آیا ہوں ۔ میرے چچا نے صرف شادی کی اجازت ہی نہیں دی بلکہ میرے والدین کو مطمئن کرنے کے لئے ایک لمبا چوڑا خط بھی لکھ دیا ہے ۔"

انطونیہ جو مسرت کے سمندر میں غوطے کھا رہی تھی کچھ دیر خاموشی سے اُس کی طرف دیکھتی رہی ، بالآخر اُس نے کہا ۔ "آپ نے اپنے چچا کو یہ تو نہیں بتایا ہو گا کہ وہ غریب لڑکی جسے آپ نے اپنی خدمت کے قابل سمجھا ہے ، ایک سرائے کے مالک کی بیٹی ہے ۔"

کلاڈیوس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا ۔ "نہیں ! میں نے اپنے چچا سے یہ کہا تھا کہ فرمس کی حسین بیٹی کی آنکھیں آسمان کے ستاروں سے زیادہ روشن ہیں اور وہ چیتھڑوں میں ملبوس ہو کر بھی قسطنطنیہ کی شہزادیوں کے دوش بدوش کھڑی ہو سکتی ہے ۔ میری چچی نے تمہارے خدوخال ، قدوقامت اور صحت کے متعلق ان گنت سوال کئے تھے ، اور میرا پہلا اور آخری جواب یہ تھا کہ انطونیہ وہ سب کچھ ہے جس کی میں تمنا کر سکتا تھا ۔ میں نے اپنے چچا سے تمہارے رشتہ داروں کا ذکر کیا تھا اور انہوں نے بطلیموس کو بال بچوں سمیت ایک رات کھانے پر بلایا تھا ! اس دعوت میں اسکندریہ کے چند مقامی معززین بھی شریک تھے اور چچا جان نے اُن کے سامنے ہمارے رشتے

کا اعلان کیا تھا۔

انطونیہ کی آنکھیں تشکر کے آنسوؤں سے لبریز ہو رہی تھیں۔ اُس نے کہا "کلاڈیوس مجھے خوف محسوس ہوتا ہے"

"مجھ سے؟" اُس نے سوال کیا

"نہیں! آپ سے نہیں۔ میں اپنی خوش نصیبی سے ڈرتی ہوں۔ سچ سچ بتائیے، آپ کسی دن مجھ سے خفا تو نہیں ہو جائیں گے۔ میرا مطلب ہے کہ آپ کسی دن یہ تو نہیں سوچنے لگیں گے کہ آپ کا فیصلہ غلط تھا۔"

"تمہیں مجھ پر یقین نہیں آتا؟"

وہ بولی "جب آپ میرے سامنے ہوتے ہیں تو میرے لئے توہمات بھی حقیقت بن جاتے ہیں۔ لیکن جب آپ میری نگاہوں سے اوجھل ہو جاتے ہیں تو مجھے انتہائی قابلِ یقین باتیں بھی خواب و خیال محسوس ہونے لگتی ہیں۔ کاش! آپ ہمیشہ میری آنکھوں کے سامنے رہ سکتے۔ میں ابھی آپ کی آمد سے پہلے یہ سوچ رہی تھی کہ شاید آپ کسی اور محاذ پر جا چکے ہیں۔"

کلاڈیوس تھوڑی دیر کے لئے سوچ میں پڑ گیا، پھر اُس نے کہا "اگر میرے اختیار میں ہو تو میں ایک لمحہ کے لئے بھی تم سے دور رہنا پسند نہ کروں، کاش! ہم کسی ایسے دور افتادہ جزیرے میں پیدا ہوتے جو ایران و روم کی جنگ کے اثرات سے محفوظ ہوتا لیکن ہم وقت کے طوفانوں کے سامنے بے بس ہیں۔ موجودہ حالات میں ہم زیادہ سے زیادہ یہ تمنا کر سکتے ہیں کہ یہ جنگ کسی دن ختم ہو جائے گی اور پھر زمانے کی ہر کروٹ ہماری خواہشوں کے مطابق ہوگی۔"

انطونیہ نے کہا "مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آپ زیادہ دیر یہاں نہیں ٹھہر سکیں گے۔"

کلاڈیوس نے مغموم لہجے میں کہا "تمہارا خیال درست ہے۔ انطونیہ میں ایک ہفتہ کے اندر اندر یہاں سے روانہ ہو جاؤں گا۔ دشمن وادیٔ نیل کی طرف پیش قدمی کر رہا ہے۔ شمال مشرقی سرحد کے سپہ سالار نے دشمن سے فیصلہ کن جنگ لڑنے کے لئے تمام شہروں سے کمک مانگی ہے۔ مجھے اسکندریہ پہنچتے ہی وہاں سے روانہ ہونے والے چند دستوں کی کمان سونپی گئی تھی۔ اور میں یہ وعدہ کر کے دو دن پہلے وہاں سے روانہ ہوا تھا کہ بابلیون سے ہو کر محاذ پر پہنچ جاؤں گا۔ اگر خدا نے ہمیں فتح دی تو میں باقی زندگی ایک لمحہ کے لئے بھی تم سے جدا ہونا پسند نہیں کروں گا۔"

انطونیہ نے کہا "تو میں نے غلط نہیں کہا تھا کہ میں اپنی خوش نصیبی سے ڈرتی ہوں۔"

"تمہیں پریشان نہیں ہونا چاہیئے انطونیہ میں محاذِ جنگ سے فارغ ہوتے ہی یہاں پہنچوں گا اور پھر شادی کے معاملہ میں ایک دن کی تاخیر بھی میرے لئے ناقابلِ برداشت ہوگی۔"

انطونیہ نے کہا "اب آپ ایک ہفتہ یہاں ٹھہریں گے؟"

"ہاں اگر تمہارے والد نے کوئی اعتراض نہ کیا تو ایک ہفتہ کے لئے میں اِس گھر کی چار دیواری سے باہر جھانکنا بھی پسند نہ کروں گا۔"

انطونیہ کچھ دیر سر جھکائے سوچتی رہی، پھر اُس نے کلاڈیوس کی طرف دیکھا اور کہا "اگر کل بابلیون کے باشندے ہمیں شوہر اور بیوی کی حیثیت میں دیکھیں تو آپ کو کوئی اعتراض تو نہ ہوگا۔؟"

کلاڈیوس نے اپنے دل میں خوشگوار دھڑکنیں محسوس کرتے ہوئے جواب دیا "نہیں بلکہ یہ میرے اُن ناقابلِ یقین سپنوں کی تعبیر ہوگی جو میں نے اپنے سفر کے دوران میں دیکھے ہیں لیکن میں تمہارے والد سے ایسی درخواست کرنے کی جراٴت نہیں کر سکتا۔"

"آپ کو درخواست کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ میں انہیں سمجھا سکوں گی کہ میرے لئے ایک بیوی کی حیثیت سے اپنے شوہر کا انتظار کرنا زیادہ آسان ہوگا۔"

"لیکن میں جنگ میں حصہ لینے کے لئے جا رہا ہوں اور ممکن ہے کہ میں زندہ واپس نہ آ سکوں یا مجھے قیدی بنا لیا جائے۔ اور تمہیں تمام عمر یہ پتا نہ چلے کہ میں کہاں ہوں اور کس حال میں ہوں۔"

انطونیہ نے جواب دیا "ان حالات میں میرے لئے یہ مسئلہ اور زیادہ اہم ہو جاتا ہے۔ میں وقت کے بے رحم ہاتھوں سے مسرت کی چند گھڑیاں چھیننا چاہتی ہوں۔ اگر مستقبل مجھے کچھ اور نہ دے سکا تو بھی ان ساعتوں کی یاد میرے لئے ایک بہت بڑا سہارا ہوگی، کم از کم میں اپنے دل کو یہ تسلی دے سکوں گی کہ ان ایام میں آپ صرف میرے لئے تھے۔ لیکن میں ایسی باتیں کیوں سوچوں کیا قدرت نے آپ کو ایرانیوں کی قید سے نکال کر یہاں نہیں بھیجا تھا اور یہ ایک معجزہ نہیں تھا۔ میرا دل گواہی دیتا ہے کہ آئندہ بھی آپ کی سلامتی کے لئے میری دعائیں رائیگاں نہیں جائیں گی۔ میں اپنے دل میں یہ خیال تک نہیں آنے دوں گی کہ آپ

جنگ سے واپس نہ آئیں گے۔ اور ہمیں خوشی کی چند گھڑیاں عطا کرنے کے بعد خدا کی رحمت کے خزانے خالی ہو جائیں گے۔"

انطونیہ کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے اور وہ کلاڈیوس کو سمجھانے سے زیادہ اپنے آپ کو تسلی دینے کی کوشش کر رہی تھی۔

فرمس مکان میں داخل ہوا۔ اور وہ اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ کلاڈیوس سے مصافحہ کرتے ہوئے اُس نے اپنی بیٹی کی طرف دیکھا اور کہا۔ "انطونیہ کے آنسو گواہی دے رہے ہیں کہ آپ اپنے چچا سے مایوس ہو کر آئے ہیں۔"

کلاڈیوس نے جواب دیا۔ "نہیں! میں مایوس ہو کر نہیں آیا۔ انطونیہ صرف اس بات سے پریشان ہے کہ میں ایک ہفتہ یہاں ٹھہر کر محاذِ جنگ پر چلا جاؤں گا۔"

فرمس نے مغموم لہجے میں کہا۔ "میں تو یہ سوچ رہا تھا کہ تم یہاں آنے کی بجائے اسکندریہ سے سیدھے محاذ پر چلے جاؤ گے۔"

"میں اپنے چچا کی اجازت سے یہاں آیا ہوں۔"

انطونیہ نے کہا۔ "ابا جان! ان کی خواہش ہے کہ کل ہماری شادی ہو جائے۔ اور آپ کی بیٹی کے پاس تشکر کے آنسوؤں کے سوا کوئی جواب نہیں۔ نہیں! نہیں! میں جھوٹ نہیں بولوں گی یہ میری اپنی خواہش ہے۔ یہ مجھے سمجھا رہے تھے کہ ایک سپاہی کا جنگ سے زندہ واپس آنا یقینی نہیں ہوتا۔"

فرمس نے کہا۔ "عورتیں رونے یا ہنسنے کے لئے ہمیشہ ناموزوں وقت منتخب کرتی ہیں۔ اس بات کا فیصلہ ہو چکا ہے کہ تم ایک دوسرے کے لئے ہو اور اگر کلاڈیوس کو کوئی اعتراض نہ ہو تو میرے لئے یہ مسئلہ کوئی اہمیت نہیں رکھتا کہ تمہاری شادی کس وقت اور کن حالات میں ہوتی ہے۔ اگر یہ ایک ہفتہ کے بعد محاذِ جنگ پر جا رہا ہے تو میں ایک لمحہ ضائع کرنا بھی پسند نہ کروں گا۔"

اگلے روز بابلیون کے ایک کشادہ گرجے کے اندر، چند مقامی معززین اور رومی افسروں کی موجودگی میں کلاڈیوس اور انطونیہ کی شادی کی رسوم ادا کی گئیں۔ اور چھٹے روز کلاڈیوس نے اپنی بیوی کو الوداع کہہ کر میدانِ جنگ کا رُخ کیا۔ پھر چند دن بعد محاذِ جنگ سے رومی سپاہ کی شکست اور پسپائی کی خبر آئی۔ اور اس کے بعد بابلیون

کے پریشان حال باشندے قریباً ہر روز اس قسم کی اطلاعات سننے لگے کہ آج ایرانیوں نے مصر کے فلاں قلعے یا فلاں شہر پر قبضہ کر لیا ہے۔ اور آج رومیوں نے فلاں مقام سے پسپا ہو کر فلاں مقام پر ڈیرے ڈال دیئے ہیں۔

ایک شام فرمس انتہائی پریشانی کی حالت میں گھر پہنچا اور اُس نے اپنی بیٹی سے کہا۔ "آج خبر آئی ہے کہ ایرانی بلبیس کے قریب پہنچ چکے ہیں اور ہمارے سپہ سالار نے بابلیون میں بچے کھچے رومی سپاہیوں کے علاوہ چند مقامی دستوں کو بھی وہاں بلا لیا ہے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ اگر رومیوں نے دوسرے شہروں کی طرح بلبیس کو بھی لڑے بغیر خالی کر دیا تو بابلیون تک دشمن کا راستہ صاف ہو جائے گا۔ رومیوں نے ابھی سے اپنے بچوں کو اسکندریہ بھیجنا شروع کر دیا ہے اور اس مقصد کے لئے دریا کی تمام کشتیاں ضبط کر لی گئی ہیں۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ رومی بابلیون کے مستقبل کی طرف سے مایوس ہو گئے ہیں اگر خدانخواستہ بلبیس میں شکست ہوئی تو وہ بابلیون کی طرف پسپا ہونے کی بجائے اسکندریہ کا رُخ کریں گے ——— ان حالات میں، میں یہ ضروری سمجھتا ہوں کہ تمہیں اسکندریہ پہنچا دیا جائے۔ میں ابھی ایک رومن افسر سے مل کر آیا ہوں اور اُس نے مجھے ایک کشتی میں جگہ دینے کا وعدہ کیا ہے۔ اس لئے اب تمہیں سفر کی تیاری کرنی چاہیئے۔"

انطونیہ نے سراپا التجا بن کر کہا۔ "نہیں! ابا جان، یہ کبھی نہیں ہو سکتا ——— کلاڈیوس ضرور یہاں آئے گا اُس نے مجھ سے وعدہ کیا تھا۔ ابا جان! میں اسکندریہ نہیں جاؤں گی۔ ممکن ہے کہ وہ زخمی حالت میں یہاں پہنچے اور اُسے میری ضرورت ہو۔ وہ بابلیون کے حالات سے بے خبر نہیں ہو سکتا۔ اگر اُس نے اس جگہ ہمارے لئے کوئی خطرہ محسوس کیا تو وہ یقیناً ہمیں یہ پیغام بھیجے گا کہ تم اسکندریہ چلے جائیں۔ لیکن جب تک اُس کی طرف سے کوئی اطلاع نہیں آتی میں اسکندریہ نہیں جاؤں گی۔ میرا دل گواہی دیتا ہے کہ وہ یہاں آئے گا۔ ——— وہ ضرور آئے گا۔"

فرمس کو انطونیہ کے الفاظ سے زیادہ اُس کے آنسو متاثر کر رہے تھے۔ اُس نے کہا۔ "بیٹی! میں نے صرف ایک مشورہ دیا تھا۔ تمہیں مجبور کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ میں دعا کرتا ہوں کہ میرے توہمات بے سند ثابت ہوں۔"

چند دن بعد بابلیون میں کہرام مچا ہوا تھا کہ رومی لشکر بلبیس میں بھی شکست کھا چکا ہے اور فرمس قلعے

تلخ لہجے میں اپنی بیٹی سے کہہ رہا تھا۔ "تم نے اُس دن میرا کہنا نہ مانا۔ کاش! میں تمہارے آنسوؤں سے متاثر نہ ہوتا اور تمہارے ہاتھ پاؤں باندھ کر کشتی میں ڈال دیتا۔ اب تمام کشتیاں جا چکی ہیں اور ہمارے لئے اسکندریہ پہنچنے کی صرف یہ صورت باقی رہ گئی ہے کہ ہم خشکی کے راستے گھوڑوں پر سفر کریں۔ انطونیہ! اب سوچنے کا وقت نہیں رومی اب بابلیون نہیں آئیں گے۔ وہ شکست کھانے کے بعد اسکندریہ کا رُخ کر رہے ہیں۔ بابلیون کا حاکم بھی فرار ہو چکا ہے۔ اور مقامی فوج ایرانیوں کا مقابلہ کرنے کی ہمت نہیں رکھتی۔ اب ہمارے لئے آخری موقع ہے ممکن ہے کل تک ہمارے لئے خشکی کے راستے بھی بند ہو جائیں۔"

انطونیہ نے کرب انگیز لہجے میں کہا۔ "ابا جان! آپ جائیں لیکن میں نہیں جاؤں گی۔ میں کلاڈیوس کا انتظار کروں گی۔"

فرمس نے جھنجلا کر کہا۔ "بیوقوف لڑکی! معلوم ہے کہ دشمن تمہارے ساتھ کیا سلوک کرے گا۔ کیا تمہارے شوہر نے تمہیں شام اور فلسطین کے مفتوحہ شہروں کی داستانیں نہیں سنائیں؟ تمہارے آنسو صرف تمہارے باپ کو بیوقوف بنا سکتے ہیں، دشمن کی سرشت نہیں بدل سکتے۔ اگر تمہیں اب بھی یہ خیال ہے کہ کلاڈیوس یہاں آئے گا تو اُسے اطلاع دینے کے لئے میں اپنا نوکر یہاں چھوڑ جاؤں گا۔"

"ابا جان! میں صرف آج کا دن اُس کا انتظار کرنا چاہتی ہوں اگر وہ نہ آیا تو ہم کل یہاں سے روانہ ہو جائیں گے۔ لیکن......"

"لیکن کیا؟" فرمس نے تلخ ہو کر پوچھا۔

"وہ ضرور آئے گا، ابا جان!"

اچانک صحن میں آہٹ سنائی دی، انطونیہ جلدی سے اٹھ کر دروازے کی طرف بڑھی، سامنے کلاڈیوس گھوڑے کی باگ تھامے کھڑا تھا اور اُس کا لباس خون میں تر بتر تھا۔

انطونیہ چند ثانیے سکتے کی حالت میں اُس کی طرف دیکھتی رہی، اور پھر چیخیں مارتی ہوئی آگے بڑھی۔ کلاڈیوس نے گھوڑے کی باگ چھوڑ کر لڑکھڑاتے ہوئے چند قدم اٹھائے لیکن اچانک منہ کے بل گر پڑا۔

کچھ دیر بعد کلاڈیوس نے آنکھیں کھولیں تو وہ کمرے کے اندر بستر پر لیٹا ہوا تھا اور انطونیہ، فرمس

ابلیون کا ایک طبیب اُس کے گرد کھڑے تھے۔

کلاڈیوس کے بائیں بازو کا زخم خاصا گہرا تھا۔ طبیب نے اُسے کسی تاخیر کے بغیر گرم لوہے سے فنے کا مشورہ دیا۔

تین دن بعد جب کلاڈیوس شدید بخار کی حالت میں کراہ رہا تھا خسرو پرویز کے لشکر کے ہراول دستے ابیون کے دروازے پر دستک دے رہے تھے۔ اور فرمس انتہائی بے بسی کی حالت میں اپنی بیٹی سے کہہ رہا تھا۔ "انطونیہ! قدرت نے تمہارے شوہر کو بھیج دیا ہے لیکن اب ہم اسکندریہ نہیں جا سکیں گے۔ ش! وہ سواری کے قابل ہوتا۔"

دس دن بعد کلاڈیوس ابھی اچھی طرح چلنے پھرنے کے قابل نہیں ہوا تھا کہ کسریٰ کے سپاہی شہر پر یصلہ کن حملہ کر چکے تھے۔

انطونیہ کے باپ اور شوہر کے سامنے مستقبل کی جو تصویر تھی وہ موت سے زیادہ بھیانک تھی لیکن انطونیہ اب بھی کسی معجزے پر یقین رکھتی تھی ——— اور قدرت کا اس سے بڑا معجزہ کیا ہو سکتا تھا کہ عین اُس وقت جب کہ موت اپنی انتہائی بھیانک صورت میں ان کے دروازے پر دستک دے رہی تھی، ایرانی لشکر کا ایک سالار جسے عام حالات میں اُن کا قاتل ہونا چاہیئے تھا ان کا دوست اور محافظ ثابت ہوا۔

عاصم فرمس کے نزدیک ایک بہادر اور احسان شناس عرب تھا، کلاڈیوس کے لئے ایک معما تھا۔ لیکن انطونیہ کی نگاہوں میں وہ آسمان کے اُن ان گنت فرشتوں میں سے ایک تھا۔ جنہیں قدرت بے بس نسانوں کی دستگیری کے لئے بھیجتی ہے۔